بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی کے سنہری اصول

امام رضاؑ کی نگاہ میں

مترجم

تصور عباس خان

نام کتاب: زندگی کے سنہری اصول امام رضاؑ کی نگاہ میں

مولف: محمد حکیمی مشہد

مترجم: تصور عباس خان

تعداد: 2000

عنوان　　　　صفحہ

تمہید

اسلامی تعلیمات اور معصومینؑ کے فرامین میں انسانی زندگی سے متعلق تمام مسائل کو اچھے طریقے سے واضح اور روشن کیا گیاہے اور یہ حقیقی اور فطرت کے عین مطابق تعلیمات انسان کی روح پر اثرانداز ہوتی ہیں جن کے ذریعے اسلام کی سب ادیان پر بالادستی اور فضیلت ثابت ہوتی ہے انسان کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسائل اور مشکلات کے حل،انسانی زندگی گزارنے کا طریقہ ،دوسروں کے حقوق کی پاسداری، انسانی مساوات ،دوسروں سے تعلقات میں انسانیت کو معیار قرار دینا، تربیت، ثقافت اقتصادیات، تجارت،اجتماعی تعلقات، تہذیب و تمدن، ملکی اور غیر ملکی مسائل، طبقاتی اور سرمایہ داری نظام کی شدید مخالفت، حکمرانی کے اصول وغیرہ کو اسلام اوراہل بیتؑ نے اس طرح واضح اور روشن کیا ہے کہ امام رضاؑ کے اس فرمان کی صداقت کامنہ بولتا ثبوت ہیں کہ فرمایا: اگر لوگ ہمارے اقوال کو سن لیتے تو ہمارے پیروکار بن جاتے۔

پس آج اس نازک دور میں جہاں ہر طرف قتل و غارت، ظلم و ستم، لوگوں کا استحصال، استعمار کی غلط پالیسیاں، خاص طبقات کی اجارہ داری اور ان کا خصوصی مراعات سے بہرہ مند ہونا؛ان سب دردوں کاعلاج اسلامی تعلیمات اور اہل بیتؑ کے فرامین میں مضمر ہے اب تمام مسلمانوں خصوصا دیندار طبقہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ آج جب کہ ہر شخص اور

ہر انسانی معاشرہ ان الہی تعلیمات کا پہلے سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج نظر آتا ہے، ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔

امید ہے یہ مختصر اور مفید کتاب جس میں ہر طبقہ سے مربوط مسائل کو امام رضاؑ کی زبان مبارک سے مختصر لیکن مفید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کو پڑھنے کے بعد (مسلمانوں کی ان تعلیمات سے بے رخی کی وجہ سے) اسلام کی مظلومیت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ اس قدر اہم اور قیمتی تعلیمات کے ہوتے ہوئے بھی انسان آج بھوک، غربت، بے روزگاری، دھوکا، فریب اور دوسری معاشرتی اور اجتماعی مسائل کا شکار ہے۔ امام رضاؑ کے ان فرامین کے تمام طبقات سے متعلق ہونے کی وجہ سے ان کا سلیس اور عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی وہاں پر بریکٹس کے اندر مناسب الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔خداوند متعال اس کوشش کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے اور اس کا اجر بندہ حقیر کے والدین کی ارواح کو نصیب فرمائے کہ بے شک آج انہی کی شفقت اور ایثار کی بدولت ہی خداوند متعال کی یہ توفیق بندے کے شامل حال ہوئی ہے۔

تصور عباس خان

جولائی 2012

مقدمہ مؤلف:

امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام شیعوں کے آٹھویں امام اور حضرت امام موسی بن جعفرؑ کے فرزند ہیں کہ جن کا شمار پیغمبر اکرم کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام علی بن ابیطالبؑ کی چھٹی اولاد میں سے ہوتا ہے۔ جنہوں نے (سن 183 ہجری میں) عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زندان میں اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد منصب امامت اور شیعوں کی قیادت ورہبری کی باگ ڈور کو سنبھالا۔

آپ کی امامت کا زمانہ بے پناہ مشکلات اور رکاوٹوں میں گھرا ہوا تھا اور آپ کو اس وقت کی موجود مسلط حکومتوں کی طرف سے ہمیشہ ڈرایا اور دھمکایا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے وہی راستہ اختیار کیا جو گذشتہ انبیاء اور ان کے اوصیاء نے اختیار کیا تھا اور جس پر آپ کے آباء و اجداد اور جد اعلی پیغمبر اسلام (ص) چلے تھے اور اسی رسالت اور ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر لیا جو طول تاریخ میں الہی رہبر اپنے کاندھوں پر اٹھاتے آئے ہیں۔

انبیاء کی عمدہ اور مہمترین رسالت اور ذمہ داری جو بعد میں ان کے اوصیاء اور جانشینوں کے کاندھوں پر آتی ہے اس کا دو چیزوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

ا: علمی اور فکری ہدایت (Scientific and Intellectual Guide) اور تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ انسان اور انسانی قوموں کو معنوی کمال کی بلندیوں تک پہنچانا۔

۲: عملی ہدایت (Practical Guide) اور تہذیب نفس اور ایسے قوانین کا اجرا کرنا جو انسان اور انسانی معاشرے کی سعادت کا باعث بنیں۔

(مذکورہ بالا دو چیزوں میں سے) پہلی چیز تعلیم و تربیت اور وحیانی اصولوں کی تبلیغ کی روشنی میں تحقق پذیر ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری چیز ایک معاشرتی نظام (Social system) کو وجود میں لانے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے سے وجود میں آتی ہے۔

یہ دونوں چیزیں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات مبارک کے آخری دس سالوں میں اور حضرت علیؑ کی زندگی کے آخری چار سالوں میں ممکن ہوئی کہ جس میں معاشرے کی علمی، فکری اور عملی ہدایت اور حکومت ان کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن دوسرے آئمہ کے لیے عملی اور واقعی ہدایت و رہبری اور لوگوں پر حکومت ممکن نہ ہوسکی۔ معصومین علیہم السلام جنہیں معاشرے کی ظاہری خلافت سے دور ہٹا دیا گیا تھا انہوں نے پہلی چیز جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحیح تعلیم و تربیت اور اسلامی معارف کی نشرواشاعت تھی اور قرآنی افکار کی صحیح سمت میں تبیین تھی، میں مشغول ہوگئے اور اسی چیز کو اپنا ہدف اور مقصد بنالیا اگرچہ وقت کے حکمرانوں کی طرف سے روکاوٹیں ایجاد کی جاتیں رہیں۔

معصومینؑ نے مختلف طریقوں سے اخلاقی اور انسانی اقدار (Human Values) کے اصولوں کو بیان کیا اور اسلامی تعلیمات کے مختلف زاویوں کی تفسیر اور وضاحت فرمائی۔

مذکورہ طریقہ کار کا مقصد تین اہم مقاصد کا حاصل کرنا تھا:

1- ان خرافات اور غلط تعلیمات کا مقابلہ کرنا جو وقت کے حکمرانوں اور ان کے طرفداروں کی طرف سے وجود میں آتی تھیں وہ غلط تعلیمات جو ظلم اور استعمار کے خلاف اسلامی تعلیمات اور اصولوں کو، کم رنگ کر دیتی تھیں اور جو آئین معاشرے کے محروم، مستضعف اور عدالت پسند لوگوں کا محافظ اور مدافع (Defender) تھا، (ان کی غلط تعلیمات)اس آئین کو ظالم ،اشرافیہ اور دولت مند حکومتوں کا حامی ظاہر کرتی تھیں۔

2: (دوسرا مقصد) اسلامی تعلیمات اور اصولوں کو صحیح سمجھنے کے لیے راہ ہموار کرنا، اس طرح کہ غیر اسلامی حکومتوں کو متزلزل کر سکے اور معاشرے کو (اگرچہ آنے والے زمانہ کے لیے) ایک عادل حکومت اور اجتماعی عدالت (social justice) کے اجرا کے لیے آمادہ کیا جا سکے۔

3: لوگوں کی نادانی، کم علمی ،کج روی اور گمراہی کا الہی، انسانی اور اسلامی تعلیمات اور اقدار کے ساتھ مقابلہ کرنا اور زندگی گزارنے کے الہی اور انسانی اصولوں کا پرچار کرتے رہنا۔

موجودہ کتاب کا مقصد، انسانی معاشرے کو ان لازوال حقایق سے روشناس کروانا ہے جن کی بنیاد انبیاء کی آسمانی اور وحیانی تعلیمات اور دین اسلام کے معارف ہیں اور امام

رضاؑ نے ان حقایق اور تعلیمات کی تبلیغ اور نشر واشاعت کے لیے اپنی تمام عمر میں بے مثال کوشش کی اور حدیث شناس لوگوں کے مطابق آپؑ نے 18ہزار فرامین اور احادیث پیچھے چھوڑی ہیں جو مختلف مصادر میں موجود ہیں اور اس مختصر کتاب میں صرف 50فرامین کو مختصر وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان کیا جارہاہے اس امید کے ساتھ کہ مہربان اور متدین انسان اس سے استفادہ کرتے ہوئے ان کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنائیں گے۔

محمد حکیمی، مشہد

1389/5/5ھجری شمسی

1: حمد و ثناء

امام رضا(ع): اَللّٰهُمَّ اَنتَ ثِقَتی فی کلّ کَربٍ، و اَنتَ رَجائی فی کلِّ شدَّةٍ، وأنتَ لِی فی کلّ اَمرٍ نَزل بی ثِقَةٌ و عُدَّة، کم من کَربٍ یَضعُفُ عنه الفُؤادُ، و تَقِلُّ فیه الحِیلَةُ... و یَخذُلُ فیه البَعیدُ والقریبُ والصّدیقُ، و یَشمُتُ فیه العَدُوُّ،اَنزَلتُه بكَ، و شَکَوتُه الیكَ، راغباً اَلیكَ فیه عَمن سَواكَ، فَفرَّجتَه و کَشَفتَه وکَفَیتَنیه، فأنتَ ولیُّ کلِّ نِعمةٍ و صاحبُ کلِّ حاجَةٍ، و مُنتَهی کلِّ رَغبةٍ، فَلَكَ الحَمدُ کثیراً...[1]

خداوندا! تمام مصیبتوں میں تو ہی میرا اعتماد اور آسرا اور تمام سختیوں میں تو ہی میری امید کی کرن ہے اور جتنی بھی مجھ پر مصیبتیں اور سختیاں آئیں ان میں تو ہی میرا سہارا ہے۔ کتنی ایسی مصیبتیں ہیں جہاں دل (اور ارادے) ناتوان ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی چارہ جوئی کام نہیں آتی۔۔۔اور جس میں دور اور نزدیک اور دوست سب شکست کھا جاتے ہیں اور دشمن سرزنش کرنے لگتا ہے اور میں اس کو آپ کے پاس لایا اور صرف اور صرف تیری طرف رغبت اور میلان کی وجہ سے تیری بارگاہ میں اس کی شکایت کی ۔پس تو نے میری مشکل کو حل فرمایا اور اس (مشکل) کو مجھ سے دور کیا اور میری محافظت فرمائی۔ پس آپ ہی تمام نعمتوں کے ولی اور تمام حاجتوں کو روا کرنے والے ہیں اور ہر رغبت کی انتہا آپ ہی کی ذات ہے اور تیرے لیے بے شمار حمد و ثنا ہے۔۔۔

---

[1]: الصحیفۃ الرضویۃ الجامعہ/39

آئمہ کی تعلیمات میں دعائیں ایک غنی ثقافت (Rich culture) کی شکل میں موجود ہیں جن میں توحید کے بنیادی مسائل ، خداوند متعال کی حمد وثنا ، قیامت اور انسان کا سرانجام ،دنیوی زندگی کے معیار ،تربیتی اور اخلاقی طریقہ کار ، اقتصادیات (Economics) اور اجتماعی زندگی گذارنے کے سنہری اصول(The Golden principles) اور دوسری فردی اور اجتماعی ضروریات کو ان میں بیان کیا گیا ہے اور دعا کی زبان میں معنوی تکامل اور عروج اور مادی اور دنیوی زندگی گزارنے کے طریقے انسان کو سکھائے گئے ہیں اور یہ بات دعاوں کی کتابوں جیسے صحیفہ علویہ؛ صحیفہ سجادیہ اور صحیفہ رضویہ کو پڑھنے سے واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

دعا پڑھتے وقت اور خداوند متعال سے راز و نیاز کرتے وقت متأثر ہونے اور انسان کے اندر تبدیلی اور انقلاب کے لیے مناسب فضا انسان کو میسر ہوتی ہے کیونکہ اس وقت انسان سب چیزوں سے علیحدہ ہو چکا ہوتا ہے اور مناسب فرصت اس کو نصیب ہوتی ہے اور اس حالت میں معنویت اور انسانیت کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہے۔ اس مناسب فضا کی وجہ سے دعاؤں میں موجود اصول ، انسان کے دل اور افکار پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں اور انسان کے وجود کے اندر جڑیں پکڑ لیتے ہیں۔ امام علی بن موسی الرضاؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ایک کتاب کی شکل میں آ چکا ہے جس کا عنوان ہے (صحيفة الرضوية الجامعہ) اور امام کا توحید کے بارے میں خطبہ بھی چھپ کر آ چکا ہے جو مامون عباسی کی محفل میں امامؑ نے بیان فرمایا جس میں ایسے کلامی اور الٰہی نکات موجود ہیں

جن کو بیان کرنے کے لیے علمی مباحث کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف امام رضاؑ کی دعا کے چند جملات کو بیان کیا گیا ہے۔

۲: پیغمبر اکرم (ص) کی ثناء

... كانَ مُتواصِلَ الأحزان، دائمَ الفِكرة، لَيستْ لَه راحَةٌ، و لايَتكلَّم فى غير حاجَة... يَتكلَّم بجَوامِع الكَلِم، فَصلاً لا فُضولَ فيه و لا تَقصير... فاذاتُعوطِيَ الحقَّ لم يعرفه أحدُ، و لم يَقُم لِغَضَبِه شَى ء حتى يَنتَصرَله...يُعطِى كلّ جُلَسائه نَصيبهُ حتى لا يَحسبُ اَحدُ من جُلسائه اَنّ أحداً اَكرَمعليه مِنه... مَن سأله حاجةً لم يرجِعْ الاّ بها او بِمَيسورٍ من القول، قد وَسَع الناس منه خُلقَه، و صار لهم اَباً رحيماً، و صارُوا عنده فى الحقّ سَواء...[1]

۔۔۔(پیغمبر گرامی اسلام) ہمیشہ محزون اور غور و فکر میں مشغول رہتے تھے۔۔آرام و آسایش نام کی کوئی چیز ان کے لیے نہیں تھی اور صرف ضرورت کے وقت بات کرتے تھے ۔۔۔ان کی بات تمام جہات سے کامل ہوتی تھی۔۔۔جب حق کی بات ہوتی تو حق کی فتح اور کامرانی کے علاوہ کوئی چیز ان کے غصے کو ٹھنڈا نہ کر پاتی۔۔۔ گفتگو کا حق ادا فرماتے تھے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ (پیغمبر نے) فلاں کو مجھ پر ترجیح دی ہے کسی شخص نے آپ سے سوال نہیں کیا مگر یہ کہ یا تو اسے دے دیتے یا اچھے الفاظ میں ان سے معذرت کر لیتے۔ تمام لوگ ان کی خوش خلقی اور کشادہ روی سے بہرہ مند ہوتے اور آپ ان کے لیے ایک مھربان اور شفیق باپ کی طرح تھے اور تمام لوگ ان کی نگاہ میں برابر تھے۔

---

[1]: عیون اخبار الرضاؑ، جلد 1 صفحہ 317

پیغمبر اکرم ﷺ کی شخصیت کا صحیح اور خوبصورت تعارف قرآن کریم کے بعد آئمہ کی روایات اور احادیث میں ملتا ہے ۔ہمارے رہبروں نے اس بارے میں بہت سے مطالب بیان کیے ہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ کی شخصیت کا مختلف زاویوں اور تعبیروں سے تعارف کروایا ہے۔ امام علیؑ نے اپنے بہت سے خطبوں میں پیغمبر اکرم ﷺ کی شخصیت اور ان کی سیرت کو بیان فرمایا ہے جو نہج البلاغہ میں موجود ہے۔امام رضاؑ نے بھی ایک طولانی حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ کی نورانی سیرت کو بیان فرمایا کہ جس کا بعض اور مختصر حصہ یہاں پیش کیا گیا۔

۳۔خدا پر ایمان اور انسانی مساوات

امام رضا(ع) - عبداللّٰہبن صَلت... كنتُ مع الرضا(ع) فی سفرِه الی خراسانِ، فدعا یوماً بمائِدةٍ له، فَجَمَع علیها مَوالیه من السُّودانِ وغَیره .فقلتُ: جُعلتُ فداك لو عَزَلتَ لِهولاءِ مائدةً؟فقال: «مَه انَّ الرَّبَّ- تبارك و تعالی- واحد،والأمَّ واحِدةٌ، والأبَ واحدُ،و الجَزاءَ بالأعمال»[1]

عبداللہ بن صلت بیان کرتے ہیں کہ :ابوالحسن علی بن موسی الرضاؑ کے (مدینہ سے) خراسان کی طرف سفر میں ان کے ساتھ تھا۔ایک دن تمام لوگوں کو دستر خوان پر بلایا جن میں آپ کے تمام سفید اور سیاہ فام غلام شریک ہوئے۔ میں نے عرض کیا : میری جان آپ پر قربان اچھا نہیں تھا کہ ان (غلاموں) کے لیے علیحدہ دستر خوان لگایا جاتا۔ امامؑ نے فرمایا : خاموش ! سب کا خدا ایک ہے اور ماں باپ بھی ایک ہیں اور ہر کسی کا اجر اس کے کردار سے جڑا ہوا ہے۔

انسانی مساوات (Humen Equility)اور اخوت ایسی چیزیں ہیں کہ تمام اصلاح

---

[1]: اصول کافی، جلد8 صفحہ 230

پسند (The Reformers) اور انسانی معاشرے کا درد رکھنے والے افراد کی آرزو، تمنا اور دلی خواہش یہی دو چیزیں رہی ہیں اور ایسے افراد میں سب سے پہلے انبیاء اور الٰہی رہبروں کا نام آتا ہے۔ اگر یہ معیار تمام افکار میں بیٹھ جائے اور اپنی اصلی حیثیت کو حاصل کرلے ،یقینا انسانی معاشرے کے درد کا علاج کیا جا سکتا ہے اور طبقاتی سوچ (Discrimination)، یہ غریب ہے اور وہ امیر، یہ ترقی یافتہ معاشرہ ہے اور وہ غیر ترقی یافتہ، اور عدم مساوات سب کی سب ختم ہو جائیں گی اور انسان خدا پر کامل یقین اور ایمان کی وجہ سے احساس کریں گے کہ ایک خاندان میں زندگی گزار رہے ہیں اور تمام انسان چاہے جس رنگ و نسل اور سرزمین سے ہوں سب بھائی اور برابر ہیں ۔ جیسا کہ امام رضاؑ کے مذکورہ بالا فرمان میں بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں تمام انسانوں کے لیے ایک تعبیر بہت زیادہ استعمال ہوئی ہے اور وہ ہے الٰہی خاندان کی، جس کے ذریعے انسانی برابری کی تعلیم دی گئی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: «الخَلقُ كلُّهم عِيالُ اللّٰه.فأحَبُّهم الی اللّٰه - عزّوجلّ - اَنفَقُهم لِعيالِه...»[1] تمام مخلوقات ،خداوند کی اھل و عیال کی مانند ہیں پس ان میں سے خداوند متعال کے نزدیک محبوب ترین وہ ہے جو خدا کے اھل و عیال کے لیے سب سے زیادہ سخی ہو۔

الٰہی ادیان کی تعلیمات میں یہ بات ثابت ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ سے ہیں اور سب کا پروردگار اور خالق خداوند متعال ہے یہ عقیدہ اور ایمان، کرہ زمین پر بسنے والے انسانوں میں وحدت اور مساوات کی جڑوں کو مضبوط اور مستحکم کر سکتا ہے اور ایسے انسانوں کے درمیان ایسے تعہدات (commitment) کو وجود میں لا سکتا ہے کہ جو ہر

---

[1]: بحار الانوار، جلد 96 صفحہ 118

انسان کے درد کی دوا بن سکتی ہے اور ہر قسم کی اقتصادی، اجتماعی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی ناہمواریوں کو ختم کر سکتا ہے اور حضرت آدمؑ کی اولاد ایک ایسے خاندان کی تشکیل کا سبب بن سکتی ہے جس میں تمام اولاآدم رہ سکیں۔

امام رضاؑ کے فرمان کا آخری حصہ «مه انَّ الربَّ واحد:شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض افراد یا سرزمینوں (ملکوں) میں جو امتیاز پایا جاتا ہے، وہ اس دنیا میں برتری کا موجب اور سبب نہیں بنتا کیونکہ یہ امتیازات (privileges) زندگی کے تفاوت کا سبب نہیں بنتے حتی کہ تقوا اور معنوی خصوصیات، یہ سب آخرت کے لیے ہیں اور آخرت کے امتیازات شمار ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں جو بھی انسان اور قوم، جس طبقہ اور حیثیت کی حامل ہو دوسری قوموں اور افراد کے ساتھ برابر ہے اور ایک دوسرے پر کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ امامؑ کے کلام میں ہم نے دیکھا کہ اپنے آپ کی فوقیت کا قائل ہونے اور اپنے آپ کو ممتاز شمار کرنے کی نفی کی گئ ہے اور انسانی مساوات کو الہی عقیدے کے طور پر بیان کیا گیا ہے یہ عبارت (مه ان الرب واحد: خاموش سب کا خدا ایک ہے) یعنی اگر خدا پر ایمان ہے تو تمام انسان اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں وہ خداوند متعال جو عدل مطلق ہے اور لامحدود محبت اور شفقت والی ذات ہے اپنی تمام مخلوقات کو برابری کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کسی قسم کا امتیاز اور برتری از جملہ برتری معنوی، تفریق کا عامل نہیں بن سکتی۔

اب ذرا ان ممالک کو دیکھیں جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار کہلواتے ہیں اور خدا پر ایمان رکھنے کا دعوی کرتے ہیں، حالانکہ دوسرے انسانوں اور قوموں کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور دوسرں کے ساتھ تعلقات میں خودغرضانہ اور استعماریت (colonialism) کی بناپر عمل کرتے ہیں حتی کہ علم و صنعت میں بھی فرق

کے قایل ہیں ۔ یہ رفتار و کردار خدا اور انبیاء پر ایمان کے ساتھ سازگاری اور ہم آھنگی نہیں رکھتا ۔ تعجب ہے کہ ان کے مذھبی اور دیپندار لیڈر نہ فقط اس بے ثقافتی پر خاموش ہیں بلکہ اس کو ٹھیک بھی کہتے ہیں ؟!

4: عقل گرائی (Rationalism)

امام رضا(ع): صَدیقُ کلِّ امرِءٍ عَقلُه، و عَدُوُّه جَهلُه[1]

ہر کسی کا دوست اس کی عقل اور ہر کسی کا دشمن اس کی جہالت اور نادانی ہے۔

حقیقی عقل ایک نور ہے جو انسان کے وجود میں رکھا گیا ہے جس کے ذریعے انسان اپنے خالق کو پہچانتا ہے اور یہ عقل انسان کی توجہ کو دوسری چیزوں سے ہٹا کر صرف خداوند متعال کی طرف موڑ دیتی ہے۔ بعض روایات میں عقل کو اندرونی پیغمبر اور نبی کہا گیا ہے ۔ امام صادقؑ نے فرمایا : لوگوں پر خدا کی حجت ، پیغمبر ہے اور انسانوں اور خدا کے درمیان حجت عقل ہے۔[2] امام رضاؑ کے مذکورہ بالا فرمان کی روشنی میں انسان کے وجود میں پسندیدہ اور محترم ترین گوھر اور چیز عقل ہے۔

اس کے باوجود کہ انسان کے وجود کا ذرہ ذرہ اپنی جگہ پر خداوند متعال کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے لیکن خداوند متعال جب افتخار کرتا ہے تو صرف انسانی عقل پر اور اس کو ایسے قیمتی گوھر کے عنوان سے یاد کرتا ہے جو انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے ۔انسان اس بے مثال گوہر سے اس طرح فائدہ اٹھائے کہ جس میدان میں جو بھی کام کرنا چاہتا ہے چاہے وہ کام انفرادی (Individual) ہو یا اجتماعی، پہلے عقل کو استعمال کرے اور اس کے تمام زاویوں کو ٹھیک طرح سے پرکھے اس کام کی راہ کو ہموار، اس کے

---

[1]: اصول کافی، جلد1 ص11

[2]: اصول کافی، جلد1 ص25

اسباب اور نتائج کی جانچ پڑتال کرے تاکہ کام منظّم اور نپاتلا انجام پائے اور کسی کام کو بغیر جانچ پڑتال اور نادانی میں انجام نہ دے۔

خواہشات انسان کی زندگی میں حیوانی زندگی کا موجب بنتی ہیں اور عقل ان خواہشات کو کنٹرول کرتی ہے اور ان خواہشات کو بے قابو اور تباہی پھیلانے والا بننے نہیں دیتی۔ یہ انسانی عقل ہی ہے جو کہتی ہے کہ ہر خواہش اور شہوت سے صحیح اور مناسب فایدہ حاصل کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے اندر اس کا دوست کون ہے اور اس کا دشمن کون؟

بے شمار خواہشیں اور ہواوہوس انسان کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ عقل آدمی کے وجود میں ہر چیز کو صحیح اور درست راہ پر چلاتی ہے اور یہی حقیقی اور واقعی دوست ہے۔انسان کی برتری کی اصل وجہ انسان کی عقل اور عقلی معلومات ہیں اور وہ کام جو ان کی وجہ سے انجام پاتے ہیں اور انہی کاموں کی وجہ سے انسان تاریخ کو دگرگون اور معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن اور تمام انفردی اور اجتماعی غریزوں اور خواہشات کا قلع قمع کر سکتا ہے اور حالات کو اسی سمت چلا سکتا ہے جس میں بہتری اور حکمت پائی جاتی ہو۔[1]

امام علیؑ کے ایک فرمان میں بیان کیا گیا ہے کہ عقل کو ہاتھ سے دینا،زندگی کو ہاتھ سے دینے کے مترادف ہے۔[2]

5: علم کی اہمیت

[1]: الحیاۃ، جلد1 صفحہ 346

[2]: اصول کافی، جلد1 صفحہ 27

امام رضا(ع) عن النبی (ص): العِلمُ امامُ العمل [1]

امام رضاؑ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: علم عمل کا پیشوا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کی جانچ پڑتال اور اس کا علم ضروری ہے اور بغیر علم اور جانچ پڑتال کے ایسے ہے جیسے رات کی تاریکی میں چلنا۔

لوگ جو اقدامات اور کام کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

ا: ایسے اقدامات اور کام جو سوچ سمجھ کر انجام دیئے جاتے ہیں اور انجام دینے سے پہلے ان کو تمام جہات سے پرکھا جاتا ہے اور مختلف زاویوں سے ان کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے ۔

۲: ایسے اقدامات جو بغیر دیکھے اور سوچے سمجھے انجام دیئے جاتے ہیں اور ان کو انجام دینے سے پہلے سوچ بچار سے کام نہیں لیا جاتا۔

واضح ہے جو کام سوچ سمجھ کر انجام دیئے جاتے ہیں وہ مقصد تک بھی پہنچیں گے اور ان کے نتائج بھی حاصل ہوں گے اور ایسے کام جن کی بنیاد سوچ بچار اور سمجھ بوجھ ہو وہ مفید بھی ہوتے ہیں اور محکم بھی۔ لیکن جو کام بغیر سوچے سمجھے انجام دیئے جائیں وہ کبھی نتیجہ نہیں دیتے اور مقصد تک بھی نہیں پہنچاتے۔ اسی بنا پر وہی کام صحیح، درست اور اہمیت رکھتے ہیں جن کے تمام زاویوں اور شرائط کی جانچ پڑتال کے بعد ان کا انجام دیا جائے اور ان کے لیے علمی اور قابل قبول عذر پیش کیا جاسکے۔

---

[1]: الحیاۃ، جلد 1 صفحہ 128؛ عدہ الداعی، صفحہ 64

6: اپنے آپ کو پہچاننا

امام رضا(ع): أفضلُ العَقلِ، مَعرفةُ الانسانِ نَفسَه [1]

امام فرماتے ہیں: عقل کا سب سے بڑا رتبہ یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے۔

اپنے آپ کو پہچاننا خدا کو پہچاننے کا محور و مرکز اور وسیلہ ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ نقل ہوا ہے کہ فرمایا: جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔[2]

اس کا مطلب یہ ہے انسانی نفس اور خودی، ایک ایسا گوھر ہے جو مادی نہیں ہے اور اس کی علمی اور منطقی پہچان سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ خداوند متعال پر ایمان کے لیے یہ بہت بڑی نشانی اور اس کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دوسرا یہ کہ انسان اپنے اندر چھپی توانائیوں کو پہچاننے کے بعد ایک معاشرے اور خاندان میں صحیح اور معقول زندگی گزار سکتا ہے اور اسے چاہیے کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں سوچ سمجھ کر قدم رکھے اور ان کاموں میں ہاتھ ڈالے جن کو وہ کر سکتا ہے اور ایسے ماحول میں رہے جہاں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتا ہو یا کوئی ذمہ داری لے کر اپنا کردار ادا کر سکتا ہو۔

اسی طرح اگر یہ پہچان لے کہ مخلوقات میں سے اس کا تعلق کس قسم اور مخلوق سے ہے تو اس کے ذریعے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ معاشرے میں موجود تمام انسانوں کو پہچان سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں جتنی ہم اپنے بارے میں معرفت حاصل کریں گے اور

---

[1]: بحار الانوار، جلد 72، صفحہ 352

[2]: الحیاۃ، جلد 1، صفحہ 212

خود کو پہچانیں گے اتنی دوسرے انسانوں اور ان کی خصوصیات کی معرفت حاصل ہو گی (کیونکہ سب انسان ایک قسم کے ہیں)

اپنے آپ کو پہچاننے میں چوتھی جہت جس کی پہچان ضروری ہے وہ اپنے اندر چھپی صلاحیتوں اور خوبیوں اور اسی طرح اپنے اندر کی کمزوریوں اور خامیوں کی پہچان ہے کیونکہ انہیں کی پہچان سے انسان اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ترقی کر سکتا ہے اور اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے تزکیہ اور تہذیب نفس اور اس میں ترقی کرنے کی پہلی شرط خود نفس کی پہچان اور معرفت ہے کیونکہ جب تک اپنے نفس کی اہمیت کو نہیں سمجھے گا اور اس میں چھپی صلاحیتوں سے واقفیت پیدا نہیں کرے گا اس کی تربیت اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں دلچسپی پیدا نہیں کرے گا اور ان سے فایدہ اٹھانے میں کوشش نہیں کرے گا کیونکہ ہر چیز کے بارے میں انسان کی کوشش اس چیز کی معرفت کی وجہ سے ہوتی ہے (جب معرفت ہی نہ ہو تو کوشش معنی نہیں رکھتی) اور (اسی وجہ سے) بہت سی ایسی صلاحیتیں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں جن تک انسان دسترسی حاصل نہیں کر سکتا اور ان سے فایدہ نہیں اٹھاپاتا کیونکہ وہ مجہول پڑی رہتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں۔[1]

7: زمانے کی پہچان

امام رضا(ع): قال ابوجعفر(ع): فی حکمةِ الِ داود: یَنبغی للمسلم س ان یکون مالِکاً لِنَفسِه، مُقبلاً علی شأنِه، عارفاً بِاَهلِ

[1]: الحیاۃ، جلد 1 صفحہ 362

زَمانِہ[1]

امام رضاؑ امام محمد باقرؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: آل داود کی نصیحت میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک مسلمان (اور انسان) کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اپنے آپ کا خود مالک بنے ؛اپنی حیثیت اور قدر و منزلت کی حفاظت (یعنی اپنی پہچان اور اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے انجام دینا) اور اپنے زمانے کے لوگوں کو پہچانے (اور ان کو پہچاننے کے بعد اسی طریقے سے ان سے پیش آئے)۔

امامؑ کے اس فرمان میں تین اہم چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

۱: اپنے اوپر قابو رکھنا اور اپنی خواہشات کو کنٹرول کرنا کیونکہ اخلاق اور تربیت میں سب سے پہلا اصول ہی یہی ہے۔

۲: اپنے آپ کو یہ یقین دلوانا کہ تہذیب اور تزکیہ نفس کے ذریعے ہی انسان اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ترقی کی منازل کو طے کر سکتا ہے۔

۳: تیسری چیز زمانے کی معرفت ہے کیونکہ اسی کے ذریعے انسانوں کی پہچان اور حالات کے تغیر و تبدل کو سمجھا جاسکتا ہے اور اسی طرح کسی بھی قسم کے پیش آنے والے حالات اور بحرانوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور ایک بابصیرت انسان کی طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے۔

زمانہ اور وقت انسان کی ترقی کے لیے بہترین اور مناسب مواقع فراہم کرتا ہے اور مختلف قوموں اور نسلوں کی خصوصیات کو پروان چڑھاتا ہے جس کے ذریعے گذشتہ، موجودہ اور آنے والی نسلوں میں فرق سمجھا جاسکتا ہے۔اسی لیے ہر زمانے کے لوگوں کو اور ان کی خصوصیات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے

---

[1]: اصول کافی، جلد 2 صفحہ 224

زمانے اور جغرافیائی حوالے سے ان کو پہچانیں تاکہ انہیں اچھے طریقے سے سمجھا جاسکے اور ان کے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہوسکے اور ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات احسن طریقے سے انجام پاسکیں۔

8: معرفت کی بنیاد پر اجتماعی تعلقات

امام رضا(ع)...العلمُ اَجمَع لأَهلِه منَ الاباء[1]

علم ،اھل علم کو ان کے آباء واجداد سے بہتر متحد کرتا ہے۔

انسانوں کے آپس کے تعلقات چاہے وہ چھوٹی سطح پر ہوں جیسے ایک خاندان یا بڑی سطح پر ہوں جیسے شہر اور ملک ،ضروری ہے کہ خود انسانوں کی پہچان کے ساتھ ساتھ ان کی قدرو منزلت اور ان کے حقوق کا پتہ اور ان کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی ہونا چاہیے جب بھی انسانی تعلقات اس قسم کی معرفت اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے بعد پیدا ہوں گے تو وہ زیادہ پایدار ہوتے ہیں اور اتنی آسانی سے ٹوٹنے والے نہیں ہوتے۔ (جس کے نتیجہ میں) معاشرہ مختلف قسم کے افراد اور ان کی مختلف خصوصیات اور صفات کے باوجود متحد اور قائم رہتا ہے اور ہر قسم کی مشکلات کے سامنے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوگا۔

لوگوں کا اتحاد، ان کی ہم آھنگی اور معاشرے کی تعمیر وترقی ،سب کے سب صرف علم اور صحیح معرفت کی صورت میں حاصل ہوسکتے ہیں۔ یہ علم ،بصیرت اور معرفت ہی ہے جو لوگوں کو صحیح طور پر اور ہمیشہ کے لیے اکٹھا کرسکتی ہے اور اسی کے ذریعے بلند مقاصد کا

---

[1]: عیون اخبار الرضا، جلد2 صفحہ 131

حصول ممکن ہو سکتا ہے۔[1]
(اسی طرح) چھوٹی سطح پر یعنی ایک خاندان میں بھی اگر ایک دوسرے کو صحیح طریقے سے سمجھا گیا ہو اور میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق اور احترام کا خیال رکھیں تو یہ خاندان کبھی ٹوٹنے نہیں پائے گا۔

9: اجتماعی ذمہ داریاں

امام رضا(ع)...لأنَّ اللّه - تبارك و تعالى - كلَّفَ أهلَ الصِّحَّةِ القيامَ بِشأنِ أهلِ الزَّمانةِ والبَلوى...[2]
خداوند متعال نے توانمند اور صحیح وسالم لوگوں پر یہ فرض کیا ہے کہ بیمار اور مشکلات میں پھنسے لوگوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔
آسمانی ادیان کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ذمہ داری کا احساس ہے اور اسلامی تعلیمات اور امام رضاؑ کے کلام میں اس کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ خصوصاً لین دین کے معاملات میں ، غربت کو ختم کرنے اور غریب اور مستضعف لوگوں کی مدد کرنے کے حوالے سے (بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے)۔
امام رضاؑ کا یہ فرمان اپنی جامعیت کے اعتبار سے رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان سے زیادہ وسعت کا حامل ہے جسے تمام مسلمانوں نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: كُلُّكُم راعٍ و كُلّكُم مَسئولُ عن رَعيَّتهِ »[3]

---

[1]: الحیاۃ، جلد 1 صفحہ 179
[2]: عیون اخبار الرضا، جلد 2 صفحہ 89
[3]: ارشاد القلوب، صفحہ 257

تم میں سے ہر ایک سرپرست اور حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

اپنی ذمہ داریوں کو پہچاننا اور ان کا احساس کرنا ایک الٰہی فریضہ ہے جو کسی دائرے میں محدود نہیں ہے اس کے دو (۲) سرے ہیں

۱: ایک سرا مدد کرنے والا ہے جس کی شرط باقی الٰہی فریضوں کی طرح قدرت اور توانائی ہے یعنی جب تک قدرت اور توانائی رکھتا ہے مدد کرے۔

۲: دوسرا سرا وہ غریب اور مستضعف لوگ ہیں جن کی شرط ان کی غریبی اور محرومی ہے جب تک یہ غربت اور محرومیت باقی ہے فرض بھی باقی ہے (اس کی یہاں تک مدد کی جائے) کہ وہ معاشرے میں مناسب زندگی گزارنے کے لائق بن جائے۔

10: قانون کا احترام اور محدودیت کو قبول کرنا

امام رضا(ع)... اذا فَعَل الناسُ هذهِ الاشياء (المَنهيات)، و ارتكَبَ كلُّ انسانٍ ما يَشتَهی و يَهواه، من غيرِ مُراقَبةٍ لأحدٍ، كان فی ذلك فسادُ الخلقِ اَجمعينَ...[1]

جب لوگ منع کیے گئے کاموں کو انجام دینے لگ جائیں اور ہر کوئی اپنی مرضی سے جو چاہے کرنے لگ جائے بغیر اس کے اس پر نظر رکھی جائے (تو ایسی صورت میں) تمام لوگ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

ضروری ہے کہ انسان شخصی اور اجتماعی کاموں میں بعض قوانین اور معیاروں کو قبول کرے اور اپنے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے تا کہ نہ خود تباہ ہو اور نہ معاشرہ ہرج

---

[1]: عیون اخبار الرضا، جلد 2 صفحہ 99

ومرج کا شکار ہو۔ شخصی زندگی میں اگر انسان کے کام، اس کا کردار، اس کی خواہشیں، اس کی درآمد اور خرچ واخراجات اگر محدود نہ کیے جائیں تو انسان اس افراط کی وجہ سے بعض اوقات اپنی سلامتی کھو بیٹھتا ہے اور تباہی اور بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے معاشرے کی سطح پر اور گروہی زندگی گزارنے کی صورت میں اپنے دائرے اور حدوں کی پہچان کی اہمیت واضح اور روشن ہے کیونکہ معاشرے میں انسانوں کا سامنا ٹریفک اشاروں کی طرح ایسی چیزوں سے ہوتا ہے کہ جن کا احترام اور دل و جان سے انہیں قبول کرنا ضروری ہے اور سب سے پہلی مہم محدودیت (Limitincy) یا ٹریفک اشارہ، دوسروں کے حقوق ہیں کہ جنہیں اپنے شخصی حقوق اور خواہشوں پر ترجیح دی جائے اور یہ دوسروں کے حقوق، انسان کو ہر اس کام کوانجام دینے سے روک دیں دوسروں کے حقوق کی پائمالی کا سبب بنیں۔ اس بنا پر تمام آزادیاں، معاشرے کے حقوق اور آزادی کے ذریعے محدود ہو جاتیں ہیں حکومتوں کی ضرورت اور ان کا کام بھی یہی ہے کہ کسی کو حد سے بڑھنے دے اور ان کی ہوا وہوس کے کاموں کو کنٹرول کرے یہاں تک کہ جو قوانین کا خیال نہیں کرتے اور اصلا قوانین کو اہمیت نہیں دیتے ان کو اس دنیا سے ہٹا کر انسانوں اور معاشرے کے حقوق کی حفاظت کرے۔

اس بنا پر امام رضاؑ کے اس فرمان کی روشنی میں انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، خاندانی اور حتی کہ شخصی سرگرمیوں میں ان قوانین کا خیال رکھے اور اپنی ہٹ دھرمیوں اور ہواوہوس سے اپنے آپ کو دور کرے تاکہ معاشرے اور لوگوں کے حقوق اور آزادی کا خیال رکھا جاسکے۔

11: سب لوگوں کے ساتھ انسانی سلوک کرنا

امام رضا(ع): قال رسول اللّٰه(ص): رأسُ العقلِ بعدَ الایمانِ باللّٰه، التَودُّدُ الی الناس، و اصطناعُ الخیرِ الی کلِّ بَرٍّ و فاجرٍ[1]
پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا پر ایمان کے بعد عقل کی معراج ،لوگوں کے ساتھ دوستی اور تمام انسانوں کے ساتھ اچھے برتاو کا نام ہے چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔
رضوی (امام رضاؑ کے) قانون کی رو سے تمام لوگوں کے ساتھ اچھے برتاو سے پیش آنا چاہیے۔لوگ چاہے اچھے ہوں یا برے چاہے لوگ نیک،فرض شناس اور دیندار ہوں یا غیر دیندار اور بد کردار سب کے ساتھ انسانوں جیسا رویہ اپنانا چاہیے۔
انسان کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات میں ، اپنی انسانیت کو ثابت کرے اور اپنی انسانیت کی بنا پر سب کے ساتھ انسانی رویہ اپنائے یعنی اس کے کردار اور دوسروں کے ساتھ سلوک کا معیار اور میزان انسان کی انسانیت ہونی چاہیے نہ کہ دوسروں کا کردار اور ان کی حیثیت ۔جو لوگ برے ہیں ان کی برائی اور برے کاموں کی وجہ سے نیک سلوک کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اکثر اوقات اچھا سلوک ان کو سیدھے راستے پر لے آتا ہے اور ان کو خواب غفلت سے بیدار کرکے ان کو اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہ (طریقہ کار)انسانی اصولوں اور انسانیت کو فروغ دینے میں معاون ومددگار ثابت ہوسکتا ہے۔
امام حسینؑ کے ایک فرمان میں نیک کام اور اچھے برتاؤ کی ژالہ باری سے مثال دی گئی ہے کہ جو تمام زمینوں اور پہاڑوں پر برستی ہے اور کسی پتھر،چٹان ، کلرزمین اور بیابان پر برسنے سے دریغ نہیں کرتی۔ قال عنده رجلُ: انَّ المعروفَ اذا اُسدی الی غیر اَهلهضاع. فقال(ع): لَیس کذلك، و لکن تکونُ الصّنیعةُ

[1]: عیون اخبار الرضا، جلد2، صفحہ 35

مثل وابِل المَطَر تُصيبُ البرَّ و الفاجِر.[1]

ایک شخص نے امام حسینؑ سے عرض کی: جب بھی نیک کام اور اچھا برتاو نااھلوں (جن میں انسانیت نہیں) سے کیا جائے تو وہ تباہ ہو جاتا ہے۔تو امام حسینؑ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ نیک اور انسانیت کا کام اس ژالہ باری کی مانند ہے کہ جو ہر اچھے اور برے انسانوں پر برستی ہے۔

12: بھائی چارہ کے حقوق

امام رضا(ع): اِعْلم... اَنَّ حقَّ الاخوان واجبُ فَرضُ... وابذُلُوا النفوسَ والأموالَ دُونَهم... و مُؤاساتِهم و مُساواتِهم فی كلّ ما يجوزُ فيه المُساواةُو المؤاساة...[2]

جان لو کہ بھائیوں کا حق واجب اور فرض ہے ---اپنی جان و مال سے ان کے لیے سرمایہ کاری کرو ---اور ہر وہ چیز جس میں مساوات جائز ہے مساوات کا لحاظ رکھو ---خداوند متعال اور پیغمبر اکرم ﷺ اور معصومینؑ کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری دینی اور مومن بھائیوں کی ہے اور اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی خدا پر ایمان کی نشانی ہے اسلام میں بھائی چارہ کے بارے میں قرآن میں آیا ہے۔ اِنّما المؤمنونَ اِخوَةُ فَاَصلِحُوا بين اخويكُم[3] بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و صفائی کو برقرار رکھو۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور امام علیؑ کے فرامین میں بھی اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے

---

[1]: تحف العقول، صفحہ 175

[2]: بحار الانوار، جلد 74، صفحہ 226 اور 227

[3]: سورہ حجر آیت 10

امام صادقؑ سے روایت نقل کی گئی ہے جو امام رضاؑ کے فرمان سے ملتی جلتی روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بھائی چارہ کیسے ہونا چاہیے۔

امام صادق(ع): لا واللّٰہ! لا یکونُ (المؤمنُ)مُومناًاَبَداًحتی یکون لاَخیہ مثلُ الجَسَد: اذا ضُرِبَ علیہ عِرقٌ واحدُ، تَداعَت لَہ سائر عُروقِہ۔[1]

امام صادقؑ نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا مومن بھائی اس کے جسم کی طرح ہو کہ اگر ایک ہڈی کو تکلیف پہنچے تو دوسری ہڈیاں اس تکلیف کو محسوس کریں۔

ایران کے مشہور شاعر سعدی نے انہی فرامین سے الہام لیتے ہوئے اپنا مشہور شعر کہا ہے کہ تمام اولاد آدم ایک دوسرے کے اعضا کی مانند ہیں۔

13: زندگی میں میانہ روی اور اعتدال

[1]: الحیاۃ جلد 1 صفحہ 413؛ بحار الانوار، جلد 74 صفحہ 233

امام رضا(ع): لا یَستکملُ عبدُ حقیقَةَ الایمان حتی تکونَ فیه خصالُ ثَلاثُ: التَفقُّه فی الدینِ، و حسنُ التقدیر فی المعیشَة: والصبرُ علی الرزایا.[1]

امام رضاؑ نے فرمایا: جب تک آدمی میں تین صفتیں نا پائی جائیں وہ حقیقت ایمان کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔دین میں فہم اور بصیرت ؛معیشت میں میانہ روی اور مصیبتوں پر صبر۔

امامؑ کے فرمان کا یہ حصہ (معیشت میں اعتدال اور میانہ روی)اسلامی روایات میں بہت زیادہ ذکر ہوا ہے جس کا معنی ہے خرچ و اخراجات ،زندگی کے کاموں ،زندگی کی ضروریات اور آمدنی میں میانہ روی (اور فضول خرچی سے بچنا) ۔ایک دستر خوان پر یا لباس ، گھر، یا گاڑی خریدنے میں ایک مہم چیز جس کا ہمیشہ خیال رکھا جائے وہ معیشت اور زندگی میں میانہ روی ہے۔کارخانہ بناتے وقت ، یا ایک سڑک یا ہر قسم کی سرمایہ کاری میں اس کی ضرورت ہمیشہ پڑتی ہے امام رضاؑ کا یہ فرمان دراصل معیشت میں دقیق حساب کتاب کو بیان کررہا ہے خصوصا اگر مسئلہ مسلمانوں کے بیت المال اور قومی سرمائے کا ہو جسے بہت احتیاط کے ساتھ ایسے مقامات پر خرچ کیا جائے جو (مسلمانوں کی)تعمیر وترقی کا سبب بنے۔

امام رضاؑ نے اس کو دوسری دو اہم چیزوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے یعنی دین میں سمجھ بوجھ اور مصیبتوں پر صبر ۔انسان کی زندگی میں ان دو چیزوں کی اہمیت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یہیں سے معیشت میں میانہ روی اور اعتدال (اور فضول خرچی سے اجتناب) کی اہمیت بھی واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

---

[1]: تحف العقول، صفحہ 329

14: پانی زندگی کا سرمایہ

امام رضا(ع)- سُئِل الرضا(ع)، عَن طَعمِ الخُبزِ والماء، فقال: طَعمُ الماءطعمُ الحَياةِ، و طعمُ الخُبزِ طعمُ العيش.[1]

امام رضاؑ سے روٹی اور پانی کے ذائقے سے متعلق سوال ہوا تو امامؑ نے فرمایا: پانی کا ذائقہ ،زندگی کا ذائقہ ہے اور روٹی کا ذائقہ جینے کا ذائقہ ہے۔

امام کے اس فرمان میں ایک اصولی نکتہ نگاہ اور انسانی زندگی کے بنیادی مسائل کو بیان کیا گیا ہے جس میں پانی کے مزے کو زندگی کا مزہ قرار دیا گیا ہے اور روٹی کے مزہ اور ذائقہ کو جینے کا مزہ قرار دیا گیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ پانی کا ذائقہ اور مزہ زندگی کا مزہ ہے کیونکہ زندگی کی تشکیل اور اس کو جاری رکھنے میں پانی ایک مہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان، حیوانات اور نباتات کے وجود کا زیادہ تر حصہ پانی سے تشکیل پاتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ روٹی کا مزہ جینے کا مزہ ہے کیونکہ انسان بغیر روٹی اور غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔

آج پانی کی اہمیت سب پر روشن ہو چکی ہے حتی کہ اقتصادی اور اجتماعی ماہرین نے کہا ہے کہ اکیسویں صدی میں سب سے زیادہ جنگیں اور لڑائیاں پانی کے مسئلہ پر ہوں گی۔

زندگی کے اس سرمایہ میں مہم ترین چیز اس کا استعمال ہے کہ کیسے اس سے استفادہ کیا جائے ؟ خصوصا خشک علاقوں میں،اگر اس (پانی) کا استعمال صحیح اور درست طریقے سے کیا جائے تو انسانی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے لیکن اگر اس کا استعمال صحیح طریقے

[1]: الحیاۃ، جلد3 صفحہ 228

سے نہ کیا گیا تو انسانوں کو بہت سی مشکلات پیش آ سکتی ہیں [1] حتی کہ زراعت میں بھی اس کے استعمال کا خیال رکھا جائے اور اس کے قطرے قطرے کو صحیح اور مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے۔ نظام آبپاشی کے طریقوں کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں اور نئے طریقے جیسے ڈرپ اینڈ اسپر نکلر ایریگیشن کے سسٹم کو استعمال کرکے پانی کے ضیاع کو روکا جاسکتا ہے۔

امام رضاؑ کا یہ فرمان پانی کے صحیح استعمال کے لیے پالیسی ساز بن سکتا ہے اور انسانوں کی مشکلات کو حل کرسکتا ہے اور انسانوں کو بتایا جائے کہ اگر پانی کا غلط استعمال کیا تو زندگی کے ایک حصے کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے ضایع کردیا ہے۔ ہمارہ معاشرہ جو اسلامی ہے پانی کا صحیح استعمال اور اس کو ضایع ہونے سے بچانا خداوند متعال کی رضایت کا سبب بنے گا اور معصومینؑ کے اس طرح کے فرامین کی نشر واشاعت لوگوں کے عمل و کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہیں اور اس طرح پانی کی کمی کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

15: سرمائے کا درست استعمال

---

[1]: عالمی بینک کے جائزہ سروے کے مطابق پاکستان میں پانی کی دستیابی کم ہوتی جارہی ہے اور پانی کی طلب میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ نہر سے کھیت کھلیان تک پانی پہنچانے والے واٹر کورسز کی صورتحال دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے جس سے پانی کی کثیر مقدار زمین برد ہو جاتی ہے اور فصل کو درست مقدار میں پانی نہیں ملتا ہے۔ اس صورتحال کے باعث زمین سے مطلوبہ اور متوقع مقدار میں فصل کا حصول مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ڈرپ اینڈ اسپر نکلر ایریگیشن سسٹم پانی کی اس کم ہوتی صورتحال میں واحد حل ہے۔

امام رضا(ع):...انّ اللّٰه یُبغِضُ... اضاعة المال...[1]

بے شک خداوند متعال اموال کی تباہی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

اموال کا درست اور منطقی استعمال ایک اسلامی، عقلی اور اقتصادی اصول ہے ہر قسم کی سرمایہ کاری(investment)،پیداوار(production)، تقسیم(distribution) اور اس کا استعمال اقتصادی قانون کے مطابق ہونا چاہیے اور یہ بات احتساب اور صحیح پالیسیوں کی محتاج ہونے کے ساتھ ساتھ اقتصادی منصوبہ بندی اور ماہرانہ راہنمائی کی نیاز مند بھی ہے ورنہ سرمایہ ضایع ہوجاتا ہے اور مطلوبہ نتائج بھی حاصل نہیں ہوپاتے اور اگر سرمایہ استعمال ہورہا ہوتو اضافی اور اس کا ضیاع ہوگا اگر تقسیم ہورہا ہوتو عادلانہ طورپر تقسیم نہیں ہوگا اور بہت سے لوگ محروم رہ جائیں گے اور یہ چیز خود ایک قسم کا ضیاع اور اموال کی تباہی ہے کیونکہ اموال اور سرمایہ جہاں خرچ ہوناچاہیے تھا خرچ نہیں ہورہا اس کی مثال معاشرے کے جسم میں کینسر کے غدود جیسی ہوتی ہے کہ جو معاشرے کے ایک حصہ کو سستی اور بے بسی اور نابودی سے دچار کردیتی ہےاور اگر سرمایہ کاری میں دقیق حساب کتاب اور ماہرانہ راہنمائی نہ ہو تو اموال تباہی کا شکار ہوتے ہیں اور قومی سرمایہ ڈوب جاتا ہے۔

اس بنیادی اصول پر روشنی ڈالنے اور اسکی وضاحت کے لیے ایک مثال ذکر کرتے ہیں:

---

[1] ۔تحف العقول/326؛ مسند الامام الرضاع 285/1.

اگر ایک ادارے کو دس گاڑیوں کی ضرورت ہے اور وہاں پندرہ گاڑیاں ہیں تو یہ اموال کی تباہی ہے اور اسی طرح اگر مناسب قیمت کی گاڑیوں سے کام چلتا ہو اور وہاں مہنگی اور شاندار گاڑیاں خریدی جائیں تو یہ بھی اموال کا ضیاع ہے۔

انسان کی انفرادی زندگی اور اموال کی مثال بھی ایسے ہی ہے اور اس مثال سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اموال کی تباہی کے ہزاروں نمونے ڈھونڈے جا سکتے ہیں امام نے ایسے اقتصادی کام کو خدا کے نزدیک سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور جو خدا پر سچا ایمان اور یقین کامل رکھتے ہیں ان کو متوجہ کیا ہے کہ وہ ہرگز ایسا کام نہ کریں جس کا انجام خدا کا غضب ہو۔

۱۶۔ غربت

امام رضا(ع): المَسكنةُ مِفتاح البُؤس.[1]
مفلسی، بدبختی اور بے چارگی کی کنجی ہے۔

معاشرتی مسائل اور بے سروسامانی پر تحقیق اور جانچ پڑتال سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی ،انفرادی اور خاندانی مشکلات اور اجتماعی زندگی میں بے سروسامانی کی جڑ اور اصل وجہ غربت ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ایک ایسی فضامیں جی رہا ہے جو طبیعی اشیاء سے تشکیل پاتی ہے اور جینے کے لیے مادی وسائل اور ضروریات زندگی کا محتاج ہے جیسے روٹی ، کپڑا، مکان ، صفائی اور علاج وغیرہ سب انسانی زندگی اور اس کے دوام کے لیے ضروری ہیں ان اشیاء میں سے کچھ کا نہ ہونا یا کم ہونا بے بسی ، بیماری اور جلدی بڑھاپے کا موجب بنتا ہے یا پھر موت اور نابودی کی طرف لے جاتا ہےیقینا اس طرح کی چیز انفرادی اور اجتماعی مشکلات کی جڑ ہے۔

امام رضاؑ ایک اور روایت میں غربت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

... اذا اَقبلتِ الدُّنیا علی انسانٍ اَعطَتْه مَحاسِن غیرہِ، و اذا اَدبَرتْ عنه سَلَبتْه مَحاسنَ نَفسِه.[2]

---

[1] ۔بحار الانوار 353/78.

[2] ۔عیون اخبار الرضاع 130/2.

جب بھی دنیا { مال وثروت } انسان کی طرف رخ کرے تودوسروں کی نیکیاں اسے دے دیتی ہےاور جب اس سے رخ پھیر لے (اور وہ فقیر ہو جائے) تواس کی نیکیاں بھی اس سے لے لیتی ہے۔

انسان کی زندگی اس کی شخصیت سے وابستہ ہے اور اورانسان کی رفتار، گفتار اور دوسروں پر اثرانداز ہونے اور معاشرے میں کردار ادا کرنے میں اس کی اصلی پہچان اس کی شخصیت ہے۔ لہٰذا شخصیت کی نفی شخص کی نفی کے مقابلے میں زیادہ نقصان کی حامل ہوتی ہے۔ اس کلام میں مفلسی کو شخصیت کی نفی کاسبب بیان کیا گیاہے کہ جس سے مفلس اور نادار انسان دچار ہوتا ہےاور اپنی شخصیت کے اچھے نکات کو یاتو کھو دیتا ہے یا پھر سمجھ ہی نہیں پاتا کیونکہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے ۔اسلامی تعلیمات میں مفلسی اور غریبی کو " قتل سے بدتر " [1] یا " بڑی موت " [2] سے تعبیر کیا گیا ہے ممکن ہے کہ امامؑ کے اس کلام میں شخصیت کی نفی کے ساتھ ساتھ شخص کی نفی بھی مراد ہو بہرحال یہ دونوں غربت اور مفلسی کے آثار میں سے ہیں۔

17 : روزہ کے وجوب کاراز

1 ۔بحاری الانوار ۲/۷۲/۴ سخن پیامبر اکرم ﷺ

2 ۔ نہج البلاغہ /۱۱۶۶، سخن امام علی علیہ اسلام

امام رضا(ع)...و علةُ الصوم، لِعرفانِ مَسِّ الجُوعِ والعَطَش... لِيَعلم شِدَّة مَبلغ ذلك من أهلِ الفقرِ والمَسكَنةَ فی الدنیا والآخرة.[1]

روزے کی وجہ بھوک اور پیاس کو حواس خمسہ سے محسوس کرنا ہے تاکہ انسان دنیا اور آخرت میں بے بس اور بے چارے لوگوں کی بھوک اور پیاس کی شدت اور تکلیف کو ٹھیک طرح سے محسوس کر سکے۔

روزہ اخروی اور معنوی فوائد سے ہٹ کر انفرادی اور اجتماعی فوائد بھی رکھتا ہے اور ساتھ ان (غرباء) کو پسند کرنے، ان سے محبت کرنے اور ان کی مدد کرنے کے احساس کو بڑھانے کا سبب بھی بنتا ہے۔امامؑ اس کلام میں روزے کے اس تربیتی پہلو پر تاکید کرتے ہیں کہ انسان بھوک اور پیاس کی حالت میں غرباء کی حالت اور ان کی بھوک اور تنگدستی کی تکلیف کو اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے۔

آج کل کہانیاں لکھ کر، فلمیں، تصویریں اور پوسٹر بنا کر اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے ذریعے معاشرے میں باہمی محبت کے احساس کو فروغ دینے اور غرباء کی دشوار زندگی کی لوگوں کے سامنے تصویر کشی کی کوشش کی جاتی ہے اس معاملے میں روزے کا بہت اہم کردار ہے جو انسان کی روحانی پرورش کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر دوسروں کی تکالیف کو سمجھنے اور ان کے احساس کو پروان چڑھانے کا سبب بنتا ہے۔

---

[1] ۔عیون اخبار الرضاع 91/2.

۱۸۔ خرچ کا بہترین نمونہ

امام رضا(ع)... اِستَأذنتُ الرضا(ع) فی النَّفَقةِ علی العیال؟
فقال: بین المکروهین. فقلتُ: جُعِلتُ فداك لا واللّٰه ما أعرفُ المَکروهَین.
فقال له: اَما تعرِف اَنّ اللّٰه - عزّوجلَّ- کَرِه الاسراف و کَرِه الاقتار
فقال: (والّذین اِذا اَنفَقوا لم یُسرِفوا و لم یَقتُروا و کان بین ذلك قواما[1]».[2]

امام رضاؑ سے اہل و عیال کے اخراجات کو کیسے پورا کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو امامؑ نے فرمایا: {اہل و عیال کے اخراجات پورا کرنے کا طریقہ} دو ناپسند طریقوں میں درمیانی طریقہ یعنی اعتدال ہے۔ میں نے عرض کی: آپ پر قربان، خدا کی قسم میں نہیں جانتا وہ دو (ناپسند) طریقے کون سے ہیں؟ فرمایا: تجھ پر خدا کی رحمت ہو کیا تو نہیں جانتا کہ خداوند متعال فضول خرچی اور بخل کو ناپسند کرتا ہے اور قرآن میں فرماتا ہے: وہ لوگ جب انہوں نے خرچ کیا تو فضول خرچی نہیں کی اور نہ ہی بخل سے کام لیا اور ان دونوں میں اعتدال کو قائم کیا" آج کل انسانیت سرمایہ داری کے نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔ سرمایہ داروں اور اقتصادی طاقت کے مراکز ذرائع ابلاغ پر اجارہ داری کی وجہ سے

---

[1] -سورہ فرقان 67/25.

[2] -الحیاۃ 205/4.

لوگوں کو اپنی مصنوعات اور اشیاء کے استعمال کی طرف تشویق کرتے ہیں اور انسان کا ذوق ، سلیقہ اور پسند ان کی دسترس میں ہے اس چیز نے انسانی معاشرے میں ایسے طبقاتی نظام (Social-class system) کو جنم دیا ہے جہاں ایک طرف غریبی اور تنگدستی ہے تو دوسری طرف ضرورت سے زیادہ خوشحالی اور امیری ہے۔

قدرتی وسائل کی کمی یا ان کا ختم ہو جانا، پانی کی آلودگی، جنگلوں اور سبزہ زاروں کی تباہی اور انسانی اور نباتاتی حیات کازوال، سرمایہ داری (Capitalism) کی وجہ سے جنم لینے والے طبقاتی نظام کا نتیجہ ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ پروٹین، چربی، مٹھائیوں اور گوشت کے زیادہ استعمال کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال ، فیشن اور اسٹیٹس کے شکنجے کی وجہ سے انسان کی ذہنی اور جسمانی صحت و سلامتی کی تباہی نے انسانی معاشرے کی بقا کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ پس اخراجات میں اعتدال اور فضول خرچی سے دوری کہ جس کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور سچے راہنماؤں نے تاکید کی ہے ، انسانی معاشرے میں موجود مسائل کا بہترین حل ہے۔

۱۹۔ اشیاء کا پورا استعمال

امام رضا(ع): من الفَسادِ قطعُ الدِّرهمِ والدّینار، و طرحُ النوى.[1]

---

[1] - مسند الامام الرضاع 314/2.

درہم و دینار کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا { یاہر قسم کے پیسوں کو بے کام کر دینا } اور کھجور کی گٹھلی کو پھینکنا { یاہر وہ چیز جو قابل استعمال ہوا سے ضائع کرنا } غلط اور نادرست عمل ہے۔

اموال کو تباہ کرنا امام رضاؑ کی تعلیمات میں مذموم قرار دیا گیا ہے یہاں اس سے متعلق دو مثالوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ معاشرے میں رائج پیسے { کرنسی } کے استعمال میں بے احتیاطی۔

۲۔ کھجور کی گٹھلی کو پھینک دینا { ہر وہ چیز جو قابل استعمال بن سکتی ہو اسے ضائع کر دینا }

دونوں مثالیں معاشرے کا اہم اقتصادی مسئلہ ہیں کرنسی چاہے نوٹ ہو یا سکہ اسے بنانے میں کافی قومی سرمایہ خرچ ہوتا ہے تب یہ معاشرے کے لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچتی ہے کرنسی کی حفاظت اس کی عمر کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے اور اسے دوبارہ بنانے کے خرچ سے بھی بچاتی ہے۔

دوسرا مطلب ہر اس چیز کے بارے میں ہے کہ جس کے استعمال کے بعد اسے روزمرہ زندگی کے کاموں کے لیے دوبارہ قابل استعمال بنایا جاسکتا ہو۔ یہ اسلامی

تعلیمات میں ذکر کیا گیا ایک عقلی اصول ہے اور امام رضاؑ کے فرامین میں اس پر تاکید کی گئی ہے۔ فقہی اور احادیث کے مفہوم {نوی: کھجور کی گٹھلی} کے کلی ہونے کے نقطہ نظر سے صرف کھجور کی گٹھلی مراد نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز مراد ہے جو دوبارہ قابل استعمال بن سکتی ہو۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین میں کسی خاص چیز کی مثال ایک کلی مفہوم کو واضح اور آشکار کرتی ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں۔

انّ القصد اَمرٌ یُحبّهُ الله - عزّوجلّ. و انّ السّرف امرٌ یُبغضهُ الله - عزّوجلّ- حتی طَرحكَ النَّواة فانّها تَصلح یشیء، و حتی صَبَّكَ فَضلَ شرابِك:[1]

بے شک {خرچ میں} اعتدال خداوند متعال کو پسند ہے اور فضول خرچی کو خدا سخت ناپسند کرتا ہے یہاں تک کہ کھجور کی گٹھلی {یا کسی دوسرے پھل یا چیز} کو پھینکنا کیوں کہ یہ چیزیں کسی دوسرے کام کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہیں اور یہاں تک کہ برتن میں پینے کا بچا ہوا پانی۔

امام صادق علیہ اسلام کے فرمان میں اس حکم کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے: «فانّها تَصلح للشیء: (کیونکہ وہ باقی بچی ہوئی شیء) کسی چیز کے لیے فائدہ

[1] -کافی 52/4، وسائل الشیعہ 257/15.

مند ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے پس جہاں بھی حکم کی وجہ موجود ہو وہاں پر وہی حکم بھی ہوتا ہے۔

پس ہر وہ چیز جو کسی کام کے لیے فائدہ مند ہو اور کسی بھی طرح سے اسے دوبارہ استعمال میں لانا ممکن ہو اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے ۔ یہ امر اشیاء کے دوبارہ استعمال کی تاکید کرتا ہے۔اس موضوع کی طرف ترقی یافتہ ممالک میں عملی طور پر توجہ دی گئی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں ابھی تک اس بارے میں کوئی خاص عملی اقدامات نہیں کیے گئے۔

اسلام کی روشن تعلیمات اور دین کے پیشواؤں کے فرامین میں اس بارے میں جو تاکید کی گئی ہے ابھی تک لوگوں کے کانوں تک نہیں پہنچ پائی اور معاشرے میں موجود دین کے اکثر ٹھیکہ دار بھی اس سے بے خبر ہیں۔

۲۰۔ غیر شرعی کمائی

امام رضا(ع)...واِجتنابُ الكَبائر و هی قتلُ النفسِ الّتی حَرَّم اللّٰه ۔ تعالی ۔... و اَکلُ الرّبا بعدَ البیِّنَة... والبَخسُ فی المکیالِ والمیزان ... و الاسرافُ والتَبذیر والخِیانَة...[1]

(ایمان کی شرائط میں سے ہے) کبیرہ گناہوں سے اجتناب یعنی انسان کو قتل کرنا کہ جسے خداوند متعال نے حرام قرار دیا ہے۔ سود کھانا دلیل کے بعد { یعنی جب پتہ چل جائے کہ یہ سود ہے } ، ناپ تول میں کمی،اسراف اور خیانت کرنا۔

امام رضاؑ کا یہ کلام کبیرہ گناہوں کے بارے میں ہے ۔ {ایسے گناہ جن کا انجام دوزخ ہے} غیر شرعی کمائی کے طریقے اور حرام کی دولت اکٹھی کرنے کو بھی کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہےاوران معاشی گناہوں میں سے بعض کو انسان کے قتل جیسے بدترین گناہ کے مساوی سمجھا گیا ہے جیسے ناپ تول میں کمی اور معاشی کاموں (پیداوار ، تقسیم اور استعمال } میں خیانت اور سود کے ذریعے پیسا کمانا وغیرہ کیونکہ کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان کو ایک بارمار دیا جائے یا پھر اس کا خون چوس کراور اس کی معاشی زندگی کی رگیں کاٹ کر اسے آہستہ آہستہ موت کی نیند سلا دیا جائے ؟

[1] - عیون اخبار الرضاع 121/2.

تعبیر: "خیانت" امامؑ کے فرمان میں ایک کلی مفہوم مراد ہے جو اقتصادی کاموں میں ہر طرح کی خلاف کاری کے ساتھ ساتھ ہر اس غلط کمائی اور درآمد کو شامل ہے جو لوگوں کے نقصان میں ہو۔

۲۱۔ انسانی کرامت

امام رضا(ع) - زکریابن آدم: سَألتُ الرضا(ع) عن رَجلٍ من اَهلِ الذمَّة اَصابَهم جُوعُ، فَاتی رَجلُ بوَلدٍ له، فقال: هذا لكَ اَطعمهُ و هو لكَ عبدُ. قال (ع): لا يُبتاعُ حُرٌّ، فانّه يَصلح لكَ و لا من اَهل الذمَّة.[1]

زکریا{ امام رضاؑ کا شاگرد } کہتا ہے: میں نے امامؑ سے ایک ذمی { ایسے غیر مسلم جو اسلامی ممالک میں رہتے ہیں} کے بارے میں پوچھا: جو اپنے بیٹے کو بھوک اور مفلسی کی وجہ سے میرے پاس لایا اور کہا: یہ تیرے لیے ہے تو اسے کھانا دے اور یہ تیرا غلام بن کر رہے گا۔ امامؑ نے فرمایا: آزاد انسان کی خرید و فروخت نہیں ہوتی اور یہ کام تیرے لیے شائستہ ہے نہ ذمیوں کے لیے مناسب۔

امامؑ کا یہ فرمان انسان کی عظیم قدر و منزلت کو بیان اور مال کی اہمیت کی نفی کر رہا ہے۔ امام رضاؑ اجازت نہیں دے رہے حتی ایک ذمی یا کافر انسان کی اولاد کی آزادی

[1] - تہذیب 77/7؛ استبصار 83/3؛ مسند الامام الرضاع 304/2.

کا معاوضہ مادی اشیاء کو قرار دیا جائے یا بھوک کے بہانے سے انسانی قدر و منزلت پر کوئی داغ لگے۔ امامؑ کی نگاہ میں انسان آزاد ہے اگر چہ وہ مسلمان نہ بھی ہو معاشی ضروریات اسے غلام بنا سکتی ہیں نہ خدا کی دی ہوئی آزادی کو اس سے چھین سکتی ہیں دیکھیئے یہ کافروں اور ذمیوں کے بارے میں ہے (مسلمان ہونا تو دور کی بات ہے)۔۔۔[1]

البتہ توجہ ہونی چاہیے کہ (مختلف بہانوں سے لوگوں کی آزادی کو چھیننا) ایسے لوگوں کا کام ہے جو بڑی سلطنتوں کے حکمران اور سپر پاور طاقت سمجھے جاتے ہیں اور اس شخص کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں جو ان کا ہم عقیدہ نہیں ہے (لیکن) اسلامی تعلیمات میں انسان اور انسانیت کو وہ مقام حاصل ہے جس کی یورپ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس مطلب کی مزید وضاحت کے لیے امام علیؑ کا فرمان ذکر کرتے ہیں:

مَرَّ شیخٌ مَکفوفُ کبیرُ یَسأل، فقال امیرُالمومنین(ع): ما هذا؟ فقالوا یا امیرالمومنین نصرانی! فقال: استَعملتُموه، حتی اذا کَبَر وعَجَز مَنَعتُموه؟ اَنفِقُوا علیه من بیت المال.[2]

1۔امام رضا علیہ اسلام کی تعلیمات میں اقتصادی معیار/۴۳۲

[2] -وسائل الشیعہ 49/11؛الحیاۃ485/2.

ایک بوڑھا نابینا شخص گدائی کرتے ہوئے امامؑ کے پاس سے گزرا۔ امیرالمومنینؑ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اے امیرالمومنینؑ عیسائی ہے امامؑ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس سے اتنا کام لیا ہے یہاں تک کہ بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہے اوراب اسے کچھ نہیں دیتے؟ اس کی ضروریات زندگی کا خرچ (مسلمانوں کے) بیت المال سے دے دو۔

اسلام انسان کو اس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس کے عقیدہ، مذہب اور افکار کو معیار قرار نہیں بناتا بلکہ اسلام کے نزدیک معیار انسان اورانسانیت ہے۔

۲۲۔انسان کے حقوق

امام رضا(ع) - قال یاسِر الخادم: و کُتِبَ من نیسابُور الی المأمون اَنّ رجلاً من المجوس اَوصی عندَ مَوتِه بمالٍ جلیلٍ یُفَرَّق فی الفُقراء والمساکین ،فَفَرَّقَه قاضی نیسابور علی فقراء المسلمین.
فقال المأمون للرضا(ع) یا سیدی! ما تقُول فی ذلك؟ فقال: انّ المَجُوس لایَتصَدّقونَ علی فُقراء المُسلمین، فاکتُب اِلیه اَن یَخرُج بقَدر ذلك من صَدقاتِ المسلمین فَیتصدَّق به علی فقراء المجوس.--[1]

---

[1] ۔ عیون اخبار الرضا ۲/ ۱۵ مسند الاسلام الرضا ۲/ ۳۳۲

یاسر خادم کہتا ہے کہ نیشاپور سے ایک خط مامون کو ملا { جس کا مضمون یہ تھا } کہ ایک مجوسی شخص نے مرتے وقت وصیت کی ہے کہ اس کے مال کا زیادہ تر حصہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے نیشاپور کے قاضی نے اس مال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔

مامون نے امام رضا علیہ اسلام سے کہا : اے میرے سردار اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ؟ امام علیہ اسلام نے فرمایا : مجوسی مسلمان مساکین پر خرچ نہیں کرتے نیشاپور کے قاضی کو خط لکھو کہ مال کی اتنی ہی مقدار مسلمانوں کے بیت المال سے لے اور مجوسی غرباء میں تقسیم کر دے۔

ریان بن شبیب سے روایت ہے:

- ريّانِ بن شَبيب... فَسَألت الرضا(ع) فقلت انّ اُختی اُوصَت بوصيّةٍ لقوم نصاری، واردتُ اَصرف ذلك الى قومٍ من اَصحابِنا مُسلمين.
فقال(ع): اِمضِ الوصيّةَ على ما اَوصَت به. قال الله ـ تبارك و تعالى: «فانّما اِثمُه على الّذين يُبَدِّلونَه...[1] /[2]

[1] ـ سورہ بقرہ ۲/ ۱۸۱

[2] کافی ۷/ ۱۶ مسند الامام الرضا علیہ اسلام ۲ / ۴۱۰

ریان بن شبیب کہتا ہے کہ امام رضاؑ سے پوچھا : میری بہن نے عیسائیوں کے بارے میں وصیت کی ہے (کہ ان میں مال تقسیم کردوں) اور میں چاہتا ہوں یہ مال اپنے مسلمان بھائیوں میں تقسیم کروں۔

امام رضاؑ نے فرمایا: ان کی جیسے وصیت ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ خداوند بزرگ و برتر فرماتا ہے اس نے گناہ کیا ہے جس نے اس { وصیت } کو تبدیل کیا۔

امام رضاؑ کے ان دو فرامین میں انسانی حقوق کے احترام کی بے مثال عظمت کو واضح اور روشن کیا گیا ہے امام رضاؑ کی نگاہ میں انسان سوچنے اور انتخاب کرنے کا حق رکھتا ہے اور اپنے عقیدہ اور مذہب کے مطابق قدم اٹھائے اور اپنے کاموں کو انجام دے۔ یہاں تک کہ یہ آزادی اور اس کے حقوق مرنے کے بعد بھی محترم ہیں اور اس کی سوچ اور عمل کے مطابق اگرچہ ہماری سوچ اور عمل کے ساتھ سازگار نہ ہو تب بھی اس کی حفاظت اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس کے حق کو صرف مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز نہ نہیں کرنا چاہیے۔

انسان کے حقوق کے بارے میں توجہ اور ان کی طرف داری اس حد تک ہے کہ امامؑ نے نیشاپور کے قاضی کی غلطی کے جبران کے لیے اس کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے مال لے اور مجوسیوں میں تقسیم کر دے در اصل عقیدے اور مذہب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس طرح کی انسانی حقوق کی طرفداری یقینا بے مثال اور بہت زیادہ

اہمیت کی حامل ہے اور انسانی ہمدردی کی ایسی عظیم مثال ہے جس کا یورپ اور مغربی ممالک میں ایک نمونہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

۲۳۔ خدمتگزاروں اور نوکروں کا خیال

امام رضا(ع) - یاسرُالخادم! قال... فقال لی بعدَ ما صَلّی الظُّهرَ:
یا یاسِر ما اَکَل النّاسُ شیئاً؟ قلتُ: یا سیدی من یأکل ههنا مع ما اَنتَ فیه. فانتَصَب (ع) ثمّ قال: هاتُوا المائدة، و لَم یَدَع مِن حَشَمِه أحداً اِلاّ اَقعَده مَعه علی المائدةِ، یَتفقَّد واحداً واحداً... فلمّا فَرغُوا من الاَکلِ اُغمی عَلیه...[1]

یاسر کہتا ہے: اس دن جب امام رضاؑ کو { عباسی خلیفہ کے ہاتھوں زہر دیا گیا تھا اور اسی دن اسی زہر کے اثر سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے } نماز ظہر کو پڑھنے کے بعد مجھ سے فرمایا: اے یاسر انہوں نے (گھر کے افراد، غلاموں اور نوکروں نے } کچھ کھایا ہے؟ میں نے عرض کی: میرے آقا جب آپ اس حالت (مسمومیت اور زندگی کے آخری لمحات) میں ہیں تو کس طرح کھا سکتے ہیں؟ اس وقت امامؑ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: دستر خوان کو بچھاؤ اور سب کو دستر خوان پر بلایا اور کسی کو بھی فراموش نہ کیا اور سب کو اپنی محبت اور شفقت سے نوازا جب سب نے کھانا کھا لیا تو امام بے ہوش ہو گئے۔

[1] ۔ عیوان اخبار لرضا علیہ اسلام ۲/ ۱۸۱

امامؑ نے مسمومیت کی حالت میں کہ جب زہر سے آپ کا پورا جسم ٹوٹ رہا تھا اور زندگی کے آخری لمحات گزار رہے تھے اس کے باوجود انسانوں کی فکر اور نوکروں کا خیال ان کے دل میں تھا۔

۲۴۔مال ودولت اکھٹا کرنے کے اسباب

امام رضا(ع): لا يَجتمعُ المالُ الاّ بِخصالٍ خَمسٍ: بِبُخلٍ شديد، وأَملٍ طويل، و حِرصٍ غالِبٍ، و قطيعة الرَّحِم، و ايثارِ الدنيا على الآخرة.[1]

مال ودولت کو صرف پانچ خصلتوں سے جمع کیا جاسکتا ہے:

۱۔زیادہ بخیل ہونا

۲۔طولانی آرزوئیں اور خواہشات

۳۔ حرص اور لالچ کا (انسان پر) غالب آنا

۴۔صلہ رحم کو ترک کرنا {اور فقیر رشتہ داروں کی مدد نہ کرنا}

۵۔دنیا کی محبت اور آخرت کو بھولا دینا۔

---

[1] ۔ عیون اخبار الرضا ۱/ ۲۷۶ ص ۱/ ۲۸۳

سرمایہ داری(Capitalism) کا برا عنصر اور قرآن کریم کی تفسیر کے مطابق "تکاثر" پہلا نفسانی عنصر ہے جو انسان کے باطنی اور اندرونی اخلاق، فکر کرنے کے طریقے اور انسان کی طبیعت اور عادات سے جنم لیتا ہے اسی وجہ سے اس عنصر کے وجود کی پہچان چاہے اقتصادی موضوعات میں سے ایک موضوع اور معاشرتی مشکلات میں سے ایک مشکل کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو ضروری ہے کہ انسانوں کے اذہان کو پڑھیں اور اس کے اندرونی اسباب کے بارے میں تحقیق کریں۔[1] اسلامی تفکر اور دوسرے مکاتب کے درمیان تفریق کا اصلی معیار ہی یہی چیز ہے کہ تمام مسائل میں جو مہمترین مسئلہ یعنی انسان اور اس کے عقاید اور نظریات ہیں (اسلام) ان سے غافل نہیں رہتا۔

جب مال و دولت کے زیادہ ہونے کی وجوہات، تکاثر عنصر کے پیدا ہونے اور سرمایہ داری کے بڑے بڑے نظاموں کی اگر جانچ پڑتال کی جائے تو ایسی عادات اور ماہیات کا سامنا ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ شوق اور آرزو سے دولت کے اکٹھے کرنے کا اصلی سبب سرمایہ داری نظام اور تکاثر ہے جب پیداوار کے اسباب اور آلات، زمین، پانی اور دوسرے مال و دولت کا سبب بننے والی چیزیں جب دنیا پرست لوگوں کے ہاتھوں میں آتی ہیں تو ظلم، استحصال اور اقتصادی طبقات کے وجود کا سبب بنتی ہیں۔

ایسی صفات اور خصوصیات امام رضاؑ کے فرمان میں ذکر کی گئی ہیں یہی چیزیں دولت کو جمع کرنے اور انسانی اصولوں کو پایمال کرنے کا اصلی سبب بنتی ہیں اور ان میں سے ہر

---

[1] معیار ہاری اقصادی اور تعالیم رضوری علیہ اسلام ۳۵۸

ایک صفت اور خصلت انسان کو قرب خدا، معنوی اور اخلاقی ترقی سے روک دیتی ہیں اور (انسانی) اصولوں کی پائمالی کا سبب بنتی ہے اور یہی شیطانی صفتیں اور عادات اور دنیا پرستی سرمایہ دار طبقہ کو غریبوں اور مسکینوں کی نسبت بے حس بنا دیتی ہیں اسی طرح سے عدالت کے معاشرتی اصول کی پایمالی کا سبب بنتی ہیں یہ مال و دولت کو اکٹھا کرنے کی حرص اور لالچ جو شیطانی انگیزوں کی وجہ سے ہے یقیناایسی درآمد ہے جو ظلم، استحصال، ذخیرہ اندوزی، ہلکی چیزوں کی پیداوار، غصب اور سود خوری کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ صحیح سرمایہ کاری اور حلال طریقوں سے کمائی ہوئی ہے کہ جن طریقوں کو امام کے کلام اور اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور امامؑ کے فرامین جو مال و دولت اور اس کے نظام کے بارے میں بیان ہوئے ہیں وہ معاشرے کے استحکام کا سبب بنتے ہیں (پس ایسے طریقوں سے کی گئی سرمایہ کاری) ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور شرعی طریقوں اور معاشرے کے فائدے کے لیے اس کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔

۲۵۔ عقل گرايي اور تربیت کو قبول کرنا

امام رضا(ع): لا يَتِمُّ عقلُ امرِءٍ مُسلم حتّى تكونَ فيه عَشرُ خِصالٍ:
الخيرُ منه مأمولٌ، و الشرُّ منه مأمونٌ، يَستكثِرُ قَليلَ الخَيرِ مِن غَيره، ويَستَقِلُّ كَثيرَ الخَيرِ مِن نَفسِه...[1]

امامؑ نے فرمایا: ایک مسلمان کی عقل اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں دس صفتیں اور فضیلتیں نہ پائی جائیں:

اس سے نیکی کی امید چلی جاے اور لوگ اس کے شر سے امان میں ہوں، دوسروں کی کم نیکیوں کو زیادہ شمار کرے اور اپنی زیادہ نیکیوں کو کم شمار کرے۔

امامؑ کے اس فرمان سے پانچ چیزوں کو سمجھا جاسکتا ہے پہلی چیز جو امامؑ کے فرمان سے آشکار ہے وہ یہ ہے کہ تربیت قبول کرنے اور اخلاقی برتری کی اصل وجہ عقل ہے اچھا اخلاق اور انسان کی اچھی عادتیں ہی عقل کو پروان چڑھاتی ہیں اور اس کو کمال تک پہنچاتی ہیں اور اصولا یہ ایک دوسرے پر اثرانداز بھی ہوتی ہیں۔اسی لیے انسانی خوبیاں اور عادات اور نفسانی خیالات انسانی عقل کے تکامل کا سبب بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عقل اچھے اخلاق اور اچھے خیالات کی وجہ سے اپنے کمال کی منزل کو پا سکتی ہے اور

[1] ۔ تحف العقول/۳۲۶

دوسری طرف برے خیالات اور حیوانی اور شیطانی صفات کی وجہ سے عقل کی روشنی مدہم پڑ جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ خاموش ہو جاتی ہے ۔

دوسری چیز جو امامؑ کے فرمان میں بیان ہوئی ہے وہ ہے اپنی زیادہ نیکیوں اور اچھے کاموں کو کم شمار کرنا اور دوسروں کی کم نیکیوں کو زیادہ شمار کرنا یعنی خود خواہی کو اپنے سے اتنا دور کر دیا ہے کہ اپنے اہم اور بڑے نیک کاموں کو چھوٹا شمار کرنے لگتا ہے اور دوسروں سے اس حد تک محبت اور ان کا احترام کرتا ہے کہ ان کے چھوٹے کاموں کو بڑا شمار کرنے لگتا ہے۔

تیسری چیز جس کو امامؑ کے فرمان سے سمجھا جا سکتا ہے وہ ہے خود خواہی اور خود بینی سے دور رہنا اور دوسروں کے بارے میں مثبت سوچ رکھنا اور ان کو عظیم سمجھنا اور ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ یہ موضوع خصوصا اس مقام پر اس طرح سے انسانوں کو ایک دوسرے کے سامنے عظیم قدر و منزلت والا بنا دیتا ہے کہ کوئی بھی چیز اس کی قدر و منزلت کو ختم نہ کر سکے اور دوسروں کے نیک اور اچھے کاموں کو کم رنگ نہ کر سکے اور امامؑ کا یہ سچا فرمان انسانوں کو ایک دوسرے کی نگاہ میں بلند قدر و منزلت والا بنا دیتا ہے ۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ دوسروں کی اخلاقی کمزوریوں اور رفتار و کردار کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے اور ان (کاموں) کے لیے مناسب توجیہ کی جانی چاہیے اگر

اسطرح کے معیار معاشرتی تعلقات میں پیدا ہو جائیں تو ہر قسم کی تفرقہ بازی اور جدائی اور دوسروں کی کم لطفی ختم ہو جائے گی اور بھٹکے اور منحرف اشخاص کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا کیونکہ آخر وہ بھی انسان ہیں۔

پانچویں چیز نیک اور انسانیت رکھنے والے افراد کے سامنے عجز وانکساری کا مظاہرہ کرنا ہے جو ایک عظیم سرمایہ ہے یعنی ان کی خوبیوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی صفات کو اپنانا چاہتے ہیں یہ خوبیوں سے محبت کرنے والے اور عظیم انسانی فطرت کے متلاشی ہیں جو انسانیت اور انسانی فضایل کے سامنے عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ ان کے اندار بھی پیدا ہو جائیں۔

۲۶۔ حکومت کی ذمہ داری کی حد

امام رضا(ع) - (للمأمون):... اتَّقِ اللّٰہ فی اُمَّةِ محَمّدٍ(ص) و ما وَلاّكَ اللّٰہ من ھذا الامرِ و خَصّك به، فانّك قد ضَیَّعتَ امورَ المسلمینَ، و فوَّضتَ ذلك الی غیرِكَ یَحكُم فیھم بغیرِ حُكمِ اللّٰہ، و قَعدتَ فی ھذه البلادِ و تركتَ بَیتَ الھِجرةِ و مَھبِطَ الوَحیِ، و انّ المھاجرینَ والانصارَ یُظلَمون دونَك، و لا یَرقُبُونَ فی مُومنٍ الاّ ولا ذِمَّةً، و یأتی عَلی المظلومِ دَھرُ یُتِعبُ فیه نَفسَه و یعجِز عن نَفَقتِه، و لا یَجدُ مَن یَشكُوا الیه حالَه، ولا یَصلُ الیك. فاتّقِ اللّٰہ...

فی اُمور المسلمینَ... اَما عَلِمتَ... اَنّ والیَ المسلمینَ مثلُ العُمودِ فی وَسطِ الفُسطاطِ مَن اَرادَہ أخَذَہ...[1]

امام رضاؑ نےمامون سے فرمایا :رسول ﷺ کی امت کے بارےمیں اور ان پر جوحکومت خدا نے نے تجھے دی ہے اس بارے میں خدا سےڈروتو نے مسلمانوں کے امور کوضایع کردیاہےاورکاموں کوان لوگوں کے سپرد کردیاہےجوخداکے حکم کے برخلاف فیصلہ دیتے ہیں اورخوداس سرزمین میں رہنے لگ گئے اور(اس سرزمین کوچھوڑدیاہے)جوہجرت کاگھراوروحی کے نازل ہونےکی جگہ تھی اور تیرےنہ ہونےکی وجہ سے مہاجرین اورانصارپر کتنا ظلم ہوتاہےاور(وہاں) مومن سے کیے گئے عہدوپیمان کی پاسداری نہیں کی جاتی اور مظلوم لوگ مشکل سے وقت گزاررہے ہیں اورزندگی گزارنےکے لیے خرچ واخراجات کاانتظام نہیں کرسکتے اورانہیں کوئی نظر بھی نہیں آتاجس کے پاس شکایت لے کر جائیں اورتم تک وہ پہنچ نہیں سکتے پس خداسے ڈرو ---کیاتم نہیں جانتے کہ مسلمانوں کاحکمران خیمے میں موجوداس ستون کی مانند ہے کہ جو بھی چاہےاس تک پہنچ سکتاہے۔

امام رضاؑ نےمامون عباسی کو مخاطب کرتےہوئےیہ فرمان ارشادفرمایاہے قصہ یوں ہے کہ ایک دن مامون امام رضاؑکے پاس گیااس کےہاتھ میں ایک طولانی خط بھی تھا امام رضاؑ کے حضور میں بیٹھ گیا اور امامؑ کوخط پڑھ کرسنایاجس میں مسلمانوں

[1] ۔ عیوان اخبار الرضا ۲/ ۱۶۰، مسندلامام الرضا علیہ اسلام ۱/ ۸۵

کے لشکر کے ہاتھوں کابل کے بعض علاقوں کی فتح کاذکر تھاجب خط ختم ہواامامؑ نے مامون سے فرمایا: کیاشرک اور کفر کے علاقوں کی فتح نے تجھے خوش کر دیا ہے؟مامون نے کہا: کیایہ خوشی کی خبر نہیں ہے؟

پھر امامؑ نے طولانی خطبہ ارشادفرمایاکہ جس کا بعض حصہ اوپر بیان کیاگیاہے۔امامؑ نےمامون سے کہا: تواپنے ملک کے اندر عدالت کو قائم کراوراس ملک سے غربت اور محرومی کو ختم کراورلوگوں کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے سوچ بچار سے کام لے یہ چیزیں ایک مسلمان حکمران کی خوشی کاسبب ہیں نہ کہ اسلام کی روح اور دین کا گوہر یعنی عدالت کورائج کیے بغیراسلامی مملکت کی جغرافیائی حدود کووسعت دینا۔اسلام اورقرآن کی اصلی تعلیمات کااجرا ہوناخوشی کاباعث بنتا ہےیعنی غربت اور فقر کو ختم کرنا، ظلم اور طبقاتی سوچ کے ساتھ جنگ کرنانہ کہ جغرافیائی حدوں کووسعت دینا۔[1]

اس بنا پرامام کی بنیادی تعلیم جووقت کے حاکم کودی وہ حکومتوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں ہے جس کی پہلی اور مہم شرط ایسے معاشرے کا قیام ہے جس کی بنیاد عدالت کو قرار دیاگیاہو اوروہ بھی سچی اور صداقت پر مبنی عدالت نہ یہ کہ اسے صرف ایک نعرہ بناکرلوگوں کی مشکلات میں اوراضافہ کردیاجائے۔

---

[1] ۔تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے جیساکہ ہم دیکھتے ہیں ہمیشہ وہ حکومتیں جو عوام کی نہیں ہے عدالت اور محروموں کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور ہر طرح حشار اور دباؤ کو لوگوں پر لاتی ہیں اور کوئی بھی ان کے سامنے نہیں بچ سکتا ہے۔

امام رضاؑ کے زمانہ میں عباسیوں کے ظلم نے پورے اسلامی معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور لوگوں کی علمی سطح بھی بلند ہو چکی تھی اور امامؑ نے ان کی علمی سطح کو مزید بلند کرنے کے لیے اسلامی حکومت میں امامت اور حکمرانی کی ذمہ داریوں کو بیان فرمایا اور مختلف مقامات پر حکومت کی خصوصیات اور شرائط کو بیان فرمایا تاکہ لوگ اصلی اور جھوٹے حکمرانوں کو اچھی طرح پہچان سکیں۔

اس فرمان کا اصلی مقصد مامون اور عباسیوں کے غلط افکار کو ظاہر کرنا تھا کہ جو ہمیشہ فتوحات کے بارے میں رکھتے تھے اور عدالت ،فلاحی کاموں اور لوگوں کی مشکلات کی طرف اصلا توجہ نہیں دیتے تھے اور ایسی فکر رکھتے تھے جس میں آج بھی بہت سی حکومتیں پھنسی ہوئی ہیں اس بنا پر امامؑ کے مخاطب وہ تمام حکمران ہیں کہ جنہوں نے لوگوں کے آرام وآسایش اور ان کی ضروریات کو نظرانداز کر رکھا ہے اور اسلام اور عدالت کے صرف نعرے لگا کر لوگوں کی زندگیوں کو عذاب بنا رکھا ہے۔

۲۷۔ عطر اور خوشبو

امام رضا(ع):... لا يَنبَغى لِلرّجلِ أن يَدَعَ الطّيبَ فى كُلِّ يَومٍ، فان لَم يَقدرِ عَليه فيَومٌ و يَومٌ لا، فان لم يَقدر ففى كلِّ جُمُعةٍ ولا يَدَع ذلك.[1]

اچھا نہیں ہے کہ انسان ہر روز عطر نہ لگائے ،اگر ہر روز نہیں تو ایک دن چھوڑ کر لگائے اور اگر یہ بھی نہیں سکتا تو ہر جمعے کے دن لگائے (کم از کم) اس مقدار کو ترک نہ کرے۔

عبادت ، خاندان اور معاشرے میں عطر اور خوشبو لگانا ایک انسانی اور اخلاقی فرض ہے جس کی امامؑ نے تاکید فرمائی ہے

انسانی زندگی کی بنیاد مل جل کر رہنے اور معاشرت پر رکھی گئی ہے اور معاشرت قوت جاذبہ اور دافعہ دونوں رکھتی ہے جیسے بری عادتیں، برا اخلاق، منافقت، روکھاپن، غصہ وغیرہ ایسی معنوی اور اخلاقی قوت دافعہ ہیں جو دوسروں کو انسان سے دور کر دیتی ہیں اور اس کے برخلاف اچھا اخلاق ،در گزر کرنا، شادابی اور محبت سے پیش آنا دوسروں کو قریب کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

مادی امور بھی گروہی تعلقات کو مستحکم اور معاشرت میں قوت جاذبہ ایجاد کر سکتے ہیں جیسے صفائی ستھرائی، ظاہری آرائش، اچھی خوشبو کا استعمال وغیرہ اور ان چیزوں کا شمار

---

[1] ۔ کافی ۶/ ۵۱۰، عیوان

اجتماعی حقوق(Social Rights) میں سے ہوتا ہے کہ جب انسان معاشرے میں قدم رکھے تو بن سنور کر نکلے اور اس سے اچھی خوشبو آتی ہو نہ کہ گندی حالت میں باہر آئے اور اس کے جسم سے بدبو آرہی ہو اور سب اس سے نفرت کرنے لگیں۔

گھر میں بھی جو ایک چھوٹے معاشرے کی طرح ہے ان چیزوں کا خیال رکھا جائے تاکہ بیویوں اور دوسرے گھر کے افراد کی خوشی کا باعث بنے اور گھریلو تعلقات دلنشین اور مستحکم رہیں۔

مساجد اور زیارت گاہوں کی طرف جاتے وقت بھی خوشبو کے استعمال کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ انسان عبادت کے وقت اور خداوند متعال کے حضور میں اچھی حالت میں حاضر ہو صاف ستھرا لباس پہنے اور بدن کو صاف ستھرا کرے اور خوشبو لگا کر (خدا کے حضور حاضر ہو)۔

عبادت کے وقت خوشبو کے استعمال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے اور دوسری آسمانی مخلوقات انسان کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اچھی خوشبو ان کی غذا کی مانند ہے اور یہ چیز ان کی توجہ کو جلب کرنے کا سبب بنتی ہے یہاں تک کہ بعض عرفاء اور اھل ذکر افراد بعض ذکر پڑھتے وقت بعض خوشبوؤں کے استعمال کو شرط سمجھتے ہیں

ایک اور فرمان میں امام رضاؑ خوشبولگانے کو انبیاء کے اخلاق میں سے شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الطیبُ مِن اَخلاقِ الانبیاء.[1] خوشبو کا استعمال انبیاء کے اخلاق میں سے ہے۔

رسول خدا ﷺ کے بارے میں بتا یا گیا ہے کہ سفر میں تین چیزوں سے غفلت نہیں فرماتے تھے ان میں سے ایک خوشبولگانا تھا اسی طرح سے امام رضاؑ ، امام صادقؑ کے بارے میں فرماتے ہیں :کان یُعرَف مَوضِعُ جعفر(ع) فِی المسجدِ بطیبِ ریحِه و موضِعُ سجودِه.[2]

مسجد میں امام صادقؑ کی جگہ ان کی خوشبو اور ان کے سجدہ کی جگہ سے پہچانی جاتی تھی۔

ہر روز یا ایک دن چھوڑ کر یا کم از کم ہر جمعہ عطر کے استعمال کے بارے میں تاکید صرف ایک خاص طبقہ اور امیر لوگوں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں کے بارے میں ہے اسلامی معاشرہ میں ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ خاص طبقہ کے لوگ اسے استعمال کریں اور نچلے طبقہ کے لوگ کہ مساجد میں جن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے وہ استعمال نہ کریں اس بنا پر امام رضاؑ کی نگاہ میں تمام لوگوں کی زندگی اس سطح پر ہونی چاہیے کہ سب کے پاس آمدنی ہونی چاہیے تاکہ اس میں سے خوشبو خرید سکیں۔

---

[1] کافی۶/ ۵۱۰، مسند الامام الرضا علیہ اسلام ۲/ ۲۷ ۳، الصیاۃ۶/ ۱۳۶،

[2] ۔ مکام الاخلاق ۱۴۱ ۴، الحیاۃ۶/ ۷ ۱۳۔

جی ہاں کسان، مزدور حتیٰ کہ معدنیات کی غاروں میں کام کرنے والے بھی اس لحاظ سے کہ وہ بھی ایک ایمانی اور اسلامی معاشرے کا حصہ ہیں ضروری ہے کہ بن سنور کر رہیں اور اچھی خوشبو کا استعمال کریں لیکن بہت سے ایسے شریف انسان جو تنخواہ اور مزدوری کے کم ہونے کی وجہ سے سال میں ایک بار بھی اچھا لباس نہیں پہن سکتے تاکہ بن سنور کر اور خوشبو لگا کر اپنے گھر والوں کے سامنے آئیں اور (جہاں ایسی صورت حال ہو) وہ معاشرہ شیعی اور رضوی نہیں ہو سکتا۔

۲۸۔ صفائی اور ستھرائی

امام رضا(ع) اِنّ اللّٰه - تبارك و تعالى -... يُبغِضُ البُؤسَ والتَّباؤُسَ، و انّ اللّٰه- عزّوجلّ - يُبغضُ مِن الرجالِ القاذورةَ...[1]

خداوند تبارک و تعالی بیچارگی اور بیچارہ نظر آنے پر غضب ناک ہوتا ہے اور خداوند عزا وجل گندے لوگوں لوگوں پر (بھی) غصب ناک ہوتا ہے۔

امامؑ کی نگاہ میں صفائی اور ستھرائی خاص اہمیت کی حامل ہے گندگی اور پلیدگی ناپسند اور خدا کے غضب کا سبب بنتی ہیں اپنے بدن کو دھونا جو صفائی اور ستھرائی کی اصل وجہ

[1] ۔ مکارم الاخلاق/ ۴۴، لحیاۃ ۶/ ۱۳۷

ہے امام رضاؑ کی تعلیمات میں بہت اہمیت کا حامل ہے یعنی حمام جانا اور نہانا امام نے فرمایا:

الحمّامُ یَومٌ و یَومُ لا...[1] ایک دن چھوڑ کر نہانا چاہیے۔

پرانے زمانے کی زندگی کی مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے جب پانی کی کمی تھی اور زمین کے نیچے سے پانی حاصل کرنے کے وسائل بھی میسر نہ تھے نہ ڈیم تھے اور نہ واٹر پمپ اس کے باوجود فرمانا کہ ایک دن چھوڑ کر نہانا چاہیے تو انسان اس موضوع کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے اس دور کو اور عربستان کی جغرافیائی حالت کو دیکھیں تو صاف ستھرا رہنے اور نہانے کی اس قدر تاکید کی اہمیت سب پر واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

بہت سارے اسلامی احکام صفائی اور ستھرائی کے بارے میں ہیں جیسے وضو، غسل اور غسل جمعہ وغیرہ جو معنوی اثرات بھی رکھتے ہیں قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر طہارت اور پاکیزگی کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے اور پانی کو پاک اور پاک کرنے والا بیان کیا گیا ہے:

... و اَنزلنا من السماء ماءً طَهوراً..[2]

---

[1] ۔فقہ الرضا علیہ اسلام/ ۳۵۴

[2] ۔سورہ فرقان ۲۵/ ۴۸۔

۔۔۔اور ہم نے آسمان سے پاک (اور پاکیزہ) پانی کو نازل کیا۔

اسلامی تعلیمات میں صفائی و ستھرائی اور پاکیزگی کا خیال رکھنے سے متعلق مسائل کے بارے میں تاکید کی گئی ہے اس طرح سے کہ اس عنوان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے

امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے کہ : أبصَرَ رسولُ اللّٰه(ص) رَجلاً شَعِثاًشَعرُ رَأسِه، وَ سِخَةً ثِیابُه، سَیِّئةً حالُه. فقال رسولُ اللّٰه(ص): مِن الدینِ المُتعَةُ و اِظهارُ النّعمةِ.[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکھرے ہوئے بالوں والے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے گندے اور برے لگ رہے تھے تو فرمایا: خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کا اظہار کرنا دین داری کا حصہ ہے۔

[1] ۔کافی ۶/ ۴۳۹، الحیاۃ ۶/ ۱۳۵۔

۲۹۔ نجکاری یا سرمائے کو قومی بنانا

امام رضا(ع):... والبَرائةُ مِمَّن نَفَی الاخیارَ... و جَعَل الأموالَ دُولَةً بَینَ الأغنیاءِ...[1]

{ایمان میں سے ہے} ان لوگوں سے بیزار ہونا جنہوں نے اسلامی معاشرے کے نیک لوگوں کو جلاوطن کیا اور (مسلمانوں کے) مال کو دولت مند اور امیر لوگوں کے درمیان گردش کے لیے چھوڑ دیا۔

یہ کلام امامؑ کے اس خط کا ایک حصہ ہے جو مامون کو لکھا اور جس میں خالص اسلام کی خصوصیات کا ذکر فرمایا اس فرمان میں تولیٰ اور تبریٰ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو اسلام کی شرائط میں سے ہیں ان میں سے ایک تبری یعنی بیزار ہونا ہے اور تبریٰ کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہے کہ جو بھی چاہے وہ ایک شخص ہو یا ایک تحریک ہو اگر سرمایہ داری اور دولت اکٹھی کرکے مسلط ہونے کی کوشش کریں اور انبیاء، قرآن، نبی اکرم ﷺ اور معصومینؑ کی تعلیمات کی خلاف ورزی اور ان کو پائمال کریں تو ان سے بیزاری کا اعلان اور ان کو محکوم اور خود کو ان سے جدا کریں۔

البتہ اس بات کا خیال رہے کہ تولیٰ جس کا اصل معنی ہے محبت کرنا اور تبریٰ جس کا معنیٰ ہے بیزاری اور دوری اختیار کرنا یہ صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ عمل اور کردار کا نام ہے

---

[1] ۔ عیوان الاخبار الرضا علیہ اسلام ۲/ ۱۲۶

اس طرح کہ خدا کے اولیاء کے راستے پر چلنا تولی کہلاتا ہے اور خداوند متعال کے دشمنوں کے راستے کو چھوڑنا اور اس سے دور ہونا تبریٰ کہلاتا ہے۔

اس فرمان میں جو تعبیر امامؑ نے استعمال کی ہے اس کو قرآن سے لیا گیا ہے:

(مَآ اَفَآءَ اللّٰه عَلی رَسُولِهِ مِن اَهلِ القُری فَلِلّه وَ لِلرَّسُولِ وَلِذِی القُربی وَ الیَتامی وَالمَسَاکینِ وَابنِ السَّبیلِ کَی لا یَکُونَ دُولَةً بینَ الاَغنیاءِ مِنکُم).[1]

ترجمہ: توجو کچھ بھی اللہ نے اھل قریہ کی طرف سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ سب اللہ، رسول اور رسول کے قرابت دار، یتامی، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لیے ہے تاکہ سارا مال صرف مال داروں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔۔۔

اس مطلب کو دوسری روایات میں بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے: امام علی(ع):... و لم أجعَلها دُولَةُ بَینَ الاَغنیاءِ.[2] امام علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اموال کو امیر لوگوں کے درمیان گردش کے لیے نہیں چھوڑا۔

---

[1]: سورہ حشر آیت ۷

[2] -کافی 61/8.

یہ اسلامی حکومت کی خصوصیات میں سے ہے مال و دولت کی گردش کارخ عام لوگوں کی طرف ہو نہ سرمایہ کار اور قریبی لوگوں کی طرف۔

جو بھی پروگرام اور پالیسی اموال کو عمومی بہرہ برداری سے ہٹا کر صرف چند امیر اور اشرافیہ کی جیبوں میں ڈال دی جائے وہ غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے اور امام رضاؑ کے فرامین کے برخلاف ہے۔

البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کرلیں اور ان کے مال و دولت کو چھین کر ایک خاص طبقہ کی نظر کردیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی پالیسیاں اور پروگرام بنائے جائیں جن کی وجہ سے آہستہ آہستہ چند لوگ بہت زیادہ سرمایہ اکٹھا کرلیں اور معاشرے کی درآمدات پر ان کا قبضہ ہو جائے اور باقی لوگ غریب اور محتاج رہیں اس قسم کی درآمدات اور دولت جو حکمرانوں کی مہربانیوں اور خاص قوانین کے تحت حاصل ہوتی ہیں قرآن اور امام رضاؑ کی تعلیمات کے برخلاف ہیں۔

عظیم مفکر آیۃاللہ بہشتی نے تعاون اور باہمی ہمکاری(Cooperatian) کے پروگرام کو متعارف کروایا اور بعد میں اسے ایران کی پارلیمنٹ نے آئین کا حصہ قرار دے دیا یہ پروگرام صرف اس لیے تھا کہ آہستہ آہستہ دولت عام لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچے اور تمام لوگ اس سے استفادہ حاصل کرسکیں اور معاشرے کی دولت اور خزانہ عمومی ہو نہ خصوصی یہ فکر سو فیصد اسلامی ہے کیونکہ خداوند متعال نے زمین اور دوسرے مالی

وسائل کو تمام انسانوں کے لیے خلق کیا ہے نہ ایک خاص طبقہ کے ل یے اور تمام لوگ الہی خاندان کا حصہ ہیں نہ ایک خاص گروہ۔

اس دور میں شیئرز (shares) اس اسلامی دستور کو اجرا کرنے کے لیے مناسب راہ حل ہیں کہ بڑے بڑے سرمائے جیسے کارخانے، معدنی ذخائر اور زراعی زمینیں شیئرز کے ذریعے سب لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں اور خاص طبقہ کے لوگوں کے حوالے نہ کیا جائے تاکہ خدا کی رضایت کا سبب بنیں (اگر ایسا نہ ہو) تو دولت مند اور بڑے سرمایہ کار جو حکومتی اداروں کے اندر تک رسائی اور پہنچ رکھتے ہیں وہ بڑے بڑے اقتصادی اور معیشتی وسائل(Economical Resources) کی بہت کم قیمت لگا کر حاصل کرلیں گے اور بڑے قیمتی سرمائے کو کوڑی کے بھاؤ خرید لیں گے۔

۳۰: اجارہ داری اور خصوصی مراعات

امام رضا(ع):... والبَراءةُ مِن الذينَ ظلَمُوا آلَ محمّدٍ(ص))...والبَراءةُ مِن الناكِثينَ والقاسِطينَ والمارقينَ ... والبَراءةُمن اَهلِ الاستئثارِ... [1]

(اسلام اور ایمان کی نشانیوں میں سے ہے)۔۔۔ان لوگوں سے بیزاری کا اعلان کرنا جنہوں نے آل محمدؐ پر ظلم وستم کیے۔۔۔اور (اسی طرح) وعدہ توڑنے والے اور منحرف

---

[1] ۔کافی ۲/ ۲۹۳۔

اور مرتد ۔۔۔اوراموال میں اجارہ داری قائم کرنے والے لوگوں سے بیزاری کا اعلان۔۔۔

آل محمدؑ پر ظلم و ستم کرنے والے لوگوں سے بیزاری کے بعد اجارہ داری (Monophly) قائم کرنے والے لوگوں سے بیزاری کا کہا گیا ہے اور ان لوگوں سے جو معاشرے کے عمومی وسائل اور اموال کو جس سے معاشرے کے تمام لوگوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے عزیزو اقارب کے قبضے میں دے دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس سے محروم کردیتے ہیں (ا لاستئثا رِ) یعنی اجارہ داری قائم کرنا اور کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص کرکے قبضہ کرلینا [1]

عمومی وسائل کو اپنے لیے مخصوص اور اس پر اجارہ داری قائم کرنا دولت کے غیر منصفانہ تقسیم کا سبب بنتا ہے اور اسی کی وجہ سے مختلف طبقات جیسے امیر،اسراف کرنے والے، غریب، فقیر اور مسکین وجود میں آتے ہیں اور یہ کام خداوند متعال کی سنت کے برخلاف ہے (یعنی خداوند نے تمام نعمتوں کو سب کے لیے خلق فرمایا ہے)اور اسی طرح اسلامی اور امام رضاؑ کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

یہ لفظ دوسری احادیث میں بھی آیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے جیسے امام باقرؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں: خَمسَۃٌ لَعَنتُھم - و کلُّ نَبیٍّ مُجابٍ - الزائدُ فی کتابِ اللّٰہ، و التارکُ لِسُنَّتی... والمُستأثرُ بالفَی ءِ

[1] :المنجد صفحہ ۳

المُستَحِلُّ له.[1]

پیغمبر اکرم نے فرمایا: پانچ لوگ ایسے ہیں کہ جن پر میں نے اور ہر مستجاب الدعا نبی نے لعنت کی ہے جو قرآن میں کسی آیت کا اضافہ کرے اور جو میری سنت کو ترک کر دے ---اور جو عمومی اموال کو اپنے لیے مخصوص کرے اور اس کو حلال سمجھے۔
امام علی علیہ السلام نے جو خط مالک اشتر کو لکھا اس میں فرمایا: و ایّاكَ و الاستئثارَ بما الناسُ فيه أسوَة...[2] اے مالک! ان چیزوں میں خصوصی مراعات اور اجارہ داری سے بچنا جو تمام لوگوں کے لیے ہیں۔
اس بنا پر امام رضاؑ کا فرمان اسلام کے خطوط کی صحیح تفسیر کرنے میں دوسری احادیث اور فرامین کے ساتھ یکساں ہے اور یہ (اجارہ داری اور خصوصی مراعات کو قبول نہ کرنے کی) فکر کا سرچشمہ خدا کی وحی ہے کہ جس میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی نعمتیں اور طبعی وسائل حتیٰ کہ حیوانات کو سب انسانوں کے فایدے کے لیے خلق فرمایا ہے اور ہر قسم کی اجارداری اور خصوصی مراعات خداوند متعال کی سنت اور قانون کے خلاف ہیں۔

---

[1] -کافی 293/2.

[2] - نہج البلاغہ، نامہ 53.

۳۱: استحصال اور اپنے مقصد کے لیے فائدہ اٹھانا (exploitation)

امام رضا(ع):... واجتِنابُ الكبائرِ و هى قَتلُ النفسِ... والبَخسُ فى المِكيالِ والميزان... والخِيانةُ...[1]

(اسلام میں سے ہے)۔۔۔کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا اور (کبیرہ گناہ) یہ ہیں قتل ۔۔۔ناپ تول میں کمی کرنا۔۔۔اور خیانت۔۔۔

مزدوروں اور کسانوں کا استحصال اور ان کی محنت سے اپنے مقصد کے لیے فائدہ اٹھانا اور ان کے کاموں اور چیزوں کی صحیح اجرت اور قیمت نہ دینا سرمایہ داری نظام کا شیوہ ہے اس قسم کا ظلم ہمیشہ تاریخ میں رہا ہے اور ابھی بھی پہلے سے زیادہ صورت میں موجود ہے اور سرمایہ داری چینلز اپنے مضبوط نیٹ ورک، منڈیوں کی قیمتوں سے آگاہی اور اتحاد کی وجہ سے چھوٹے کسانوں اور مزدوروں کو ان کے حق سے بہت کم دیتے ہیں اور اصل محنت کرنے والے طبقہ پر ظلم کرتے ہیں اور سرمایہ داری نظام میں صنعتی تمدن (Industrial civilization) نے بھی اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے یا کچھ سوچ نہیں سکا یا سوچنا چاہتا ہی نہیں تھا۔

[1] ۔عیون اخبار الرضاع 127/2.

قرآنی تعبیروں کے مطابق انبیاء تھے جنہوں نے سب سے پہلے استحصال کے خلاف قیام کیااور مقتدر حکمرانوں کا مقابلہ کیا قرآن اس بارے میں فرماتا ہے : (وَ یَا قَوم اَوفُوا المِکیَالَ وَ المیزانَ بِالقسطِ وَ لا تَبخَسُوا النّاسَ اَشیاءھُم وَلا تَعثَوا فِی الارضِ مُفسدینَ)[1]

(بخس اشیاءناس: یعنی لوگوں کے کام اور ان کی چیزوں کی کم قیمت دینا۔

یہ قرآن کی دوسری آیات اور پیغمبر اکرم سے بھی نقل ہوا ہے [2]

امین الاسلام طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں آیت کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں : «ولا تبخَسُوا الناسَ اَشیاءَھم» یعنی لوگوں کے حق سے کم نہ کرو اور ان کو ان کے حقوق سے محروم نہ کرو[3]۔

امام رضاؑ کے فرمان میں (ناپ تول میں کمی) اور (خیانت) کو ذکر کیا گیا ہے اور خیانت کا عمومی معنی ہر قسم کے اقتصادی اور مالی ظلم کو شامل ہے اور اس کو قتل اور گناہ کبیرہ کے زمرے میں لے آتا ہے لیکن خیانت کا جدا طور پر ذکر کرنا بتاتا ہے کہ حدیث کا معنی وسیع اور عام ہے اور ان موارد میں بھی استعمال ہو سکتا ہے جہاں شک ہو یا وہ اس دور

---

[1] -سورہ ہود 85/11.

[2] : سورہ اعراف، آیت 85

[3] : مجمع البیان، جلد 4 صفحہ 447؛ الحیاۃ جلد 5 صفحہ 545

کے نئے طریقے ہوں جیسے استحصال اورلوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرناوغیرہ۔

پہلے زمانہ میں کیونکہ کام کرنے والے اور کام کرنے کے وسائل محدود تھے ظلم اور لوگوں کااستحصال زیادہ تراس زمانہ کے وسائل جیسے ناپ تول کے ذریعے کیا جاتا تھالیکن آج ناپ تول اور اقتصادی مسائل سب کے سب مختلف ہوچکے ہیں اور اقتصادی ظلم اور استحصال ایک وسیع سطح پر تجارت ،کارخانوں کے مالکان کے گٹھ جوڑ وغیرہ کی طرف سے جاری ہےاور کارخانوں ،زرعی زمینوں اور مالی وسائل پر سرمایہ داروں کے کنٹرول نے اس کو بین الاقوامی مشکل بنادیا ہے۔

لوگوں کے استحصال کے مختلف طریقوں کو اسلام میں بیان کیا گیا ہے اور سب طریقوں کی مذمت کی گئی ہے : محمّدبن مسلم، انّه سَئَل عن الرجل يَتَقَبّل بِالعملِ فلا يَعمَلُ فيه، و يَدفَعُه الى اخرَ فيَربَحُ فيه؟
قال: لا الاّ أن يكونَ قد عَمِل فيه شيئاً.[1]

مشہور اور معروف راوی محمد بن مسلم نے (امام صادقؑ سے) سوال کیا :ایک مرد نے کام کے لیے ایک معاہدہ پر دستخط کیے ہیں لیکن اس نے اس کام کو انجام نہیں دیا اور کسی

[1] -وسائل الشیعہ 265/13.

اور کے حوالے کر دیا ہے اور اس سے سود لیتا ہے (اس بارے میں کیا حکم ہے) ؟امامؑ نے فرمایا: (یہ سود) جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں اس نے (خود) کام کیا ہو۔

کیونکہ وہ جو سود لے رہا ہے کسی کام کے بدلے میں نہیں ہے اس نے تو کوئی کام ہی نہیں کیا تاکہ اضافی پیسہ لے (یہ) حرام اور استثمار ہے۔[1]

۳۲: تجارتی منافع کی حدود

امام رضا(ع): رِبحُ المؤمن علی اَخیه رِباً، الاّ اَن یَشتریَ منه شیئاً بِاَکثرَ مِن مِئةِ دِرهمٍ، فَیَربَحُ فیه قُوتَ یَومِه، او یَشتریَ مَتاعاً لِلتجارَةِ فیَربَحُ علیه رِبحاًخَفیفاً.[2]

ایک مومن کا اپنے دینی بھائی سے نفع لینا سود ہے مگر یہ کہ کسی چیز کو سو درھم سے زیادہ خریدے اس صورت میں اپنے روزانہ کی خوراک کی مناسبت سے نفع لے گا یا کسی سامان یا اشیاء کو تجارت کے لیے خریدتا ہے تو اس صورت میں کم منافع اس سے لے گا۔

لین دین کو اسلام میں ایک اقتصادی ضرورت کے عنوان سے قبول کیا گیا ہے اور یہ نظریہ کہ بیچنے والے کوئی چیز اضافی نہیں لیتے اور اگر منافع لیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اس

---

[1]: زیادہ وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الحیاۃ جلد 3 صفحہ 220 تا 224

[2] - بحارالانوار 100/103؛ مستدرک الوسائل 462/2؛ الحیاۃ 142/4.

کو (اسلام نے) رد کیا ہے کیونکہ کارخانے سے سامان لانا اور دکان پر گاہک کو ہاتھوں پر دینا دونوں میں بڑا فرق ہے سامان لانے کے لیے حمل و نقل اور کرایہ وغیرہ پر خرچ اخراجات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لین دین میں منافع لینا جایز ہو جاتا ہے۔

اب جب کہ واضح ہو گیا ہے کہ معاملات میں منافع صحیح اور شرعی لحاظ سے جایز ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا منافع جتنا جس کا جی چاہے لے سکتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہے اور بیچنے والا جتنے مہنگے داموں بیچے بیچ سکتا ہے؟ یہ مطلب قرآنی آیات کے علاوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام اماموں کی احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے اور تجارت اور اس کے منافع کی حدود کو معین کیا گیا ہے قرآن فرماتا ہے: (لا تأكلُوا اَموالَكُم بَينَكُم بِالباطِل الاّ ان تَكونَ تِجارةً عن تراضٍ مِنكُم ولا تَقتُلوا اَنفُسَكم...)[1] ترجمہ:

اس آیت میں معاشرے کو مخاطب قرار دیا گیا ہے اور اس کو ایک جسم کی مانند مراد لیا گیا ہے اور مال و دولت اور لین دین کی گردش میں اختلال کو معاشرے کی خودکشی شمار کیا گیا ہے جیسا کہ آیت کے آخری حصہ میں پڑھا: ولا تَقتُلوا اَنفُسَكم... : اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

[1] - سورہ نساء 29/4.

تجارتی منافع کی حدود کے بارے میں اصلی نکتہ جو آیت کے اس حصہ سے (عن تــر اضٍ: یعنی خریدار اور بیچنے والے دونون کا راضی ہونا) سمجھ آتا ہے یہ ہے کہ ہر لین دین اور معاملہ دونوں (خریداراور بیچنے والے) کی رضامندی سے انجام پائے نہ کہ صرف بیچنے والا راضی ہو جس نے زیادہ منافع لیا ہے اور گاہک کا خون چوس کر اپنی جیب پیسوں سے بھری ہے یہ کام قرآن کے خلاف ہے کیونکہ دونوں کا راضی ہونا واقع نہیں ہوا۔

امام رضاؑ اپنے فرمان میں اسی چیز پر تاکید کرتے ہیں کہ منافع کم ہونا چاہیے اور زیادہ منافع اور چند برابر منافع اسلامی کام نہیں ہے اور نہ ہی امام رضاؑ کو پسند ہے جیسا کہ قرآن میں اس چیز کو لفظ تــر اضٍ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے امام علیؑ بھی مالک اشتر کو لکھے گئے خط میں اسی چیز پر تاکید کرتے ہیں یعنی منافع کو محدود کیا جائے فرمایا: ... ولیکُن البَیعُ بَیعاً سَمحاً، بِموازینِ عَدلٍ، و اَسعارٍ لا تُجحِفُ بالفَریقَینِ، من البائعِ والمُبتاعِ...[1]

ضروری ہے کہ معاملہ آسان اور عدالت کے معیار پر انجام پائے اور اس قیمت پر ہو کہ خریدار اور بیچنے والے کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے

---

[1] - نہج البلاغہ/1018، نامہ 53.

امام علیؑ کا یہ کلام اور امام رضاؑ کا فرمان دونوں ایک ہی چیز کے بارے میں ہیں امام رضاؑ نے کم منافع کی تعبیر لائی اور امام علیؑ نے آسان لین دین کہا اور دونوں کا معیار وہی کم منافع ہے اس بارے میں مفکر آیۃ اللہ بھشتی کہتے ہیں : وہ چیز جو چوری کی ہے جس کی وجہ سے چند لوگ دوسروں کے ہاتھوں اور ذہنوں کی محنت کی پیداوار کو ذخیرہ کریں یہی تجارتی منافع ہے اس میں یہ منافع جو خریدنے اور بیچنے والے کا حق بنتا ہے یا منشی اور مزدوروں کا خرچہ ہے یا ٹیلیفون وغیرہ کا بل ہے یہ تو قابل قبول ہے لیکن جو یہ کہتا ہے کہ میں نے ہزار ٹن کی خرید و فروخت کی ہے اور فلاں مقدار سود کی چاہیے اور اگر سو ٹن بھی ہوتا تو بھی کام کی اسی مقدار کے ساتھ 10 فیصد چاہتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے یہ وہی ظالمانہ منافع ہے جو مردود ہے۔

وہ روایات جو پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہؑ سے تجارت کے بارے میں نقل ہوئی ہیں اگر ان کو غور سے پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک دکاندار بااخلاق اور دیندار ہوتا ہے اور جو منافع وہ لیتا ہے وہ اپنا حق الزحمت اور محنت سمجھ کر اور مناسب لیتا ہے لیکن جو دکاندار اس (حق الزحمت اور محنت) سے زیادہ لے اور ساتھ یہ بھی امید رکھے کہ اس کے مال میں برکت بھی ہو ،ایسا نہیں ہو سکتا (کیونکہ وہ ایسے مال میں برکت کا تقاضا کر رہا ہے جو اقتصادی حوالے سے بانجھ ہے) اور اس بارے میں جو اسلامی اصول بیان کیے گئے ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور قرآن کی اس آیت سے (احلَّ اللّٰہ

البَیع و حَرّم الربا)[1] ہم جو سمجھتے ہیں وہ ہے دکاندار کا معقول اور مناسب منافع ہے اور اپنے حق الزحمت سے زیادہ لینا اقتصادی ماھیت (Economical Condation) کے اعتبار سے ایک قسم کا ظلم ہے اور سود کے ساتھ کوئی فرق نہیں رکھتا۔

33: آئیڈیل اخلاق

امام رضا(ع)- ابراهیم بنِ العباس: ما رأیتُ اباالحسن الرضا(ع) جَفا أحداً بکلمةٍ قطُّ، ولا رأیتُه قَطَع علی أحدٍ کلامَه حتی یَفرُغَ منه، و ما رَدّ أحداً عن حاجةٍ یَقدرُ علیها، و لا مَدّ رِجلَه بین یَدی جَلیس له قطُّ، ولا اتکی بینِ یدی جلیس له قطُّ، ولا رأیتُه شَتَم احداً من مَوالیه و مَمالیکِه قطُّ، ولا رأیتُه تَفَل ... و کان اذا خلا و نَصَب مائدتَه اجلسَ معه علی مائدتِه ممالیکه و موالیه حتّی البَوّابِ والسائِس. و کان قلیلَ النّوم باللیلِ، کَثیرَ السَّهَرِ... و کان کثیرَ الصیامِ ،فلا یَفوتُه صیامُ ثَلاثةِ اَیامٍ فی الشَّهرِ، و یقول: ذلك صَومُ الدّهرِ، و کان کثیرَالمعروفِ و الصّدقةِ فی السّرِ، و اکثرُ ذلك یکونُ مِنه فی اللیالی المُظلمةِ.[2]

ابراہیم بن عباس کہتا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ امام رضاؑ نے زبان سے کسی کی دل آزاری کی ہو یا کسی کی بات پوری ہونے سے پہلے اس کو ٹوکا ہو اور جس نے سوال کیا اگر اس کی حاجت پوری کر سکتے تھے تو کبھی انکار نہیں کیا اور کوئی آپ کے حضور بیٹھا

---

[1] -سورہ بقرہ 275/2.

[2] -عیون اخبار الرضاؑ 184/2.

ہوتا تو کبھی اس کے سامنے پاؤں دراز نہیں کیے اپنے دوستوں اور خدمتگزاروں سے کبھی نازیبا الفاظ میں بات نہیں کی میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ دہن کو باہر پھینکا ہو ۔۔۔جب بھی اکیلے ہوتے اور دستر خوان لگاتے تو تمام غلاموں اور خدمتگزاروں حتی کہ محافظین کو بھی کو دستر خوان پر بلاتے راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور زیادہ تر بیدار رہتے تھے ۔۔۔زیادہ روزے رکھتے کم از کم مہینے میں تین دن روزہ ضرور رکھتے تھے اور فرماتے یہ (مہینے میں تین دن روزہ رکھنا) ایسے ہے جیسا کہ پورا سال روزے رکھے ہوں بہت زیادہ احسان کرتے اور صدقہ دیتے اور صدقہ زیادہ تر رات کی تاریکی میں دیتے۔

اخلاق انسان کے اصلی چہرہ اور اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور بڑے لوگوں کو ان کے اچھے اخلاق سے پہچانا جاسکتا ہے قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے: (انّك لَعَلى خُلُقٍ عظيمٍ).[1] بے شک (اے پیغمبر) آپ اخلاق کے عظیم درجہ پر فایز ہیں۔

انبیاء اور تمام امام بھی اخلاق کے بلند درجہ پر فائز تھے اور اچھا اخلاق ان کی روح کا حصہ تھا ان کے پیروکاروں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی نیک اور اچھے اخلاق کے مالک ہوں اور ہر وقت کوشش کرنی چاہیے کہ تربیت اور اخلاق میں اپنے اماموں کے قریب ہو سکیں۔

---

[1] -سورہ قلم 4/68.

۳۴: طبعی نظام میں کام کاج کی اہمیت

امامِ رضا(ع):... لیس لِلنّاسِ بُدٌّ من طلبِ مَعاشِهم، فلا تَدَعِ الطَّلبَ.[1]
لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اپنے ذریعہ معاش کی تلاش میں رہیں اور اس کوشش وتلاش کر ہر گز ترک نہ کریں۔

انسان ایک نیاز مند اور محتاج مخلوق ہے چیزوں اور خوراک کی ضرورت اس کی طبیعت کے اندر چھپی ہوئی ہے لیکن بہت سی جگہوں پر ان سے استفادہ آسان نہیں ہے غذا، لباس اور گھر جیسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سخت محنت اور کام کاج کی ضرورت پڑتی ہے اسی وجہ سے فطرت کے قانون میں ان چیزوں کو حاصل اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے کام ایک بہترین وسیلہ ہے۔

کام اور محنت کی روشنی میں ہی کھیتی باڑی اور کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور کام کاج کی صورت میں ہی زندگی گزارنے کے وسائل اور ضروریات حاصل ہوتی ہیں اسی وجہ سے کام انسان کی بنیادی ضروریات میں سے شمار ہوتا ہے اور خدا کے اس قانون میں بنیاد مصلحت خدا ہے جو انسانی زندگی کے دوام کے لیے ضروری ہے کیونکہ عقل کی ترقی،

[1] -وسائل الشیعہ 18/12؛ الحیاۃ 320/5.

انسانی توانائیوں اور فطری صلاحیتوں کے ظاہر ہونے میں تلاش اور کوشش بہت زیادہ عمل دخل رکھتی ہے۔

قرآن فرماتا ہے: (لَقد خَلقنَا الانسانَ فی کَبَد).[1] ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا۔

انسان کا وجود دوام پیدا نہیں کر سکتا مگر یہ کہ محنت اور کوشش کرے اگر محنت نہ کرے اور آرام سے بیٹھ جائے اور بیکار وقت گزارے تو یہ چیزیں انسان کی سستی اور کاہلی اور اس کی تنزلی کا سبب بنتی ہیں یا تو پھر اپنے وجود کو نابود کر دیتا ہے یا اپنی صحت اور سلامتی کو کھو بیٹھتا ہے اور آگے بڑھنے کے مواقع کو گنوا بیٹھتا ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں جو بھی کام اور محنت کرے گا طاقتور اور قوی ہوگا اور جو کام نہیں کرے گا اور بے کار رہے گا تو سستی اور ناتوانی اس پر غالب آ جائے گی۔[2] امام صادقؑ کام کرنے کی ضرورت کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بیکاری کی صورت میں لوگ حد سے زیادہ گستاخ ہو جاتے ہیں اور ناشکرے بن جاتے ہیں یہاں تک کہ برائیاں بڑھ جاتی ہیں اور برے کام رواج پیدا کر لیتے ہیں کیونکہ

---

[1] -سورہ بلد 4/90.

[2] : غرر الحکم/269؛ الحیاۃ 293/5.

اگر یہ (لباس، خوراک اور دوسری ضروریات زندگی) تمام چیزیں انسان کی اختیار میں پہلے سے دے دی جاتیں اور کام کاج کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تواس کے پاوں کے نیچے زمین (انسان کی ناشکری اور گستاخی کی وجہ سے) نہ رہتی اور نوبت یہاں تک آجاتی کہ ایسے کاموں میں مشغول ہو جاتا جو انسان کی ہلاکت کا سبب بنتے۔۔۔[1]

صرف انسان کا جسم نہیں ہے جو کام اور محنت کرنے کا محتاج ہو بلکہ انسان کی روح ، فکر، تربیت اور روح کی سلامتی کا تعلق بھی کام کاج سے ہے امام صادقؑ کے فرمان کے مطابق اگر انسان کو کام کاج کی ضرورت نہ ہوتی اور ہمیشہ فارغ اور بیکار رہتا تو برائیوں کا شکار ہو جاتا اور لامحالہ اپنی توانائیوں کو ایسے کاموں میں خرچ کرتا جو اس کی ہلاکت کا باعث بنتے اسی بنا پر انسان کے لیے کام کاج کرنا ایک ضرورت ہے اور امام رضاؑ کے فرمان کے مطابق انسان کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کاج اور محنت میں لگا رہے تاکہ بیکار اور فضول رہ کر سرکش نہ بن جائے۔

35: شریعت میں کام کاج کی اہمیت

امام رضا(ع): الّذی یَطلُبُ من فَضل اللّٰه- عزّوجلّ - ما یَکُفُّ به عیالَه، اَعظمُ أجراً من المجاهدِ فی سَبیل اللّٰه - عزّوجلّ.[2]

---

[1] بحارالانوار 86/3؛ معیارہای اقتصادی در تعالیم رضوی ع/ 224.

[2] -کافی 88/5؛ مسند رک الامام الرضاع 299/2.

وہ شخص جو (کام کاج اور محنت کے ذریعے) اپنے گھر والوں کے لیے خدا کے رزق کی تلاش میں ہو اس کا اجر و ثواب خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد سے زیادہ ہے۔

دینی تعلیمات کی روشنی میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس کائنات پر حاکم قوانین کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو کائنات کے نظام کے ساتھ ہم آہنگ کرے امام رضاؑ کے فرمان کے مطابق جو شخص اپنے گھر والوں کی فلاح و بہبود کی خاطر محنت مزدوری اور کام کرتا ہے اس کا ثواب اس مجاہد سے زیادہ ہے جو خداوند متعال کی راہ میں جہاد کرے اور اس کے کام کاج کی وجہ سے ہی اس کے گھر والے سکھ کا سانس لیتے ہیں اور معاشرے میں عزت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور ساتھ ان کی عقل اور جسم اچھے طریقے سے پروان چڑھتے ہیں اور دین پر ثابت قدم اور خداوند متعال کے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔

جو زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہو وہ کیسے نماز پڑھ سکتا ہے یا روزہ رکھ سکتا ہے یا حج اور جہاد کو انجام دے سکتا ہے؟ :

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اللّهم بارك لَنا فی الخُبز، ولا تُفَّرق بيننا و بَينه، فَلولا الخُبزُ ما صَلّينا ولا صُمنا ولا اَدّينا فرائضَ ربّنا.[1]

---

[1] -کافی 73/5.

خداوندا روٹی کو ہمارے لیے بابرکت قرار دے اور روٹی اور ہمارے درمیان جدائی قرار نہ دے کیوں کہ اگر روٹی نہ ہو تو نماز پڑھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ روزہ رکھ سکتے ہیں اور نہ دوسرے واجبات کو ادا کر سکتے ہیں۔

اس حدیث میں روٹی کے ذریعے دوسری بنیادی ضرورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ سب صنعت اور زراعت کے ذریعے ہو سکتا ہے الہی رہبر انسانوں کی اصلی اور واقعی زندگی سے باخبر تھے اور اپنے پروگرام اور قانون بناتے وقت اس کی طرف متوجہ تھے اور یہ صرف خیالی چیزیں نہ تھیں بلکہ بھوکے اور محروم لوگوں سے عبادت کا تقاضا نہیں کرتے تھے۔

امام رضاؑ اور پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث سے یہ حقیقت بھی روشن اور واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاق اور معنویت کا مادی اور معیشتی مسائل کا آپس میں گہرا تعلق ہے کیونکہ خدا کی راہ میں مجاہد ہونا معنوی لحاظ سے بلند رتبہ ہے اور اسی طرح انسان کی محنت اور اس کا کام کاج جو وہ اپنے گھر والوں کی آسایش اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انجام دیتا ہے یہ بھی ایک معنوی مقام ہے جہاں سے قرب خدا کو بہت جلد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

36: محبت کی بنیاد پر تعلقات

امام رضاؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا: لا تَزالُ اُمّتی بخيرٍ ما تحابُّوا وتهادوا...[1]

میری امت ہمیشہ خوش بخت رہے گی جب تک ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے اور تحائف دیتے رہیں گے۔

معاشرے کے ماہرین اور معاشرے کا درد رکھنے والے لوگوں کی ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ معاشرتی تعلقات دوستی اور محبت پر استوار ہوں کیونکہ انسان محبت، پیار اور دوستی کی بنا پر اکٹھے زندگی گزارتے ہیں ہر انسان دوسرے کا غمگسار بنے اور ایک پرجوش اور مستحکم زندگی گزاریں دوستی اور محبت سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں جو دو انسانوں کو قریب کر سکے اور کہا جاسکتا ہے کہ عضویہ (Organism) تعلقات کو صرف محبت کی صورت میں عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے کہ کس طرح انسان اپنے جسم کے اعضاء سے محبت کرتا ہے اور ان کی سلامتی اور آرام کا خیال رکھتا ہے اجتماعی جسم میں بھی افراد اعضاء کی مانند ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی سلامتی اور آسائش کے بارے میں سوچتا ہے جیسے

---

[1] -وسائل الشیعہ 202/11.

اپنی سلامتی اور آسائش کے بارے میں اسی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں معاشرے کے اندر محبت اور دوستی کو مہمترین اخلاق شمار کیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَشدُّکُم حُبّاً للّٰہ اَشدُّکم حُبّاً لِلناسِ.[1]

وہ شخص جو خدا سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ لوگوں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے

امام باقرؑ نے فرمایا: ... و هل الدینُ الاّ الحبُّ... الدینُ هو الحبُّ و الحبُّ هو الدینُ.[2]

کیا دین محبت کے علاوہ کسی چیز کا نام ہے؟ دین محبت ہے اور محبت دین ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں: انّ المسلمین یلتَقیان، فافضَلُهما اشَدُّهما حُباً لِصاحِبِه.[3]

جب دو مسلمان ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو ان میں سے افضل وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست سے زیادہ محبت کرتا ہو۔

---

[1] -مستدرک الوسائل 358/12.

[2] -بحار الانوار 238/69.

[3] -کافی 127/2.

دو انسانوں کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو سمجھنے کے لیے امام صادقؑ کا یہی فرمان معیار ہونا چاہیے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہر انسان کی قدر و منزلت اس کی دوسروں سے محبت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور یہ معاشرتی تعلقات کے وہ سنہری اصول ہیں جو دوسرے دین اور مذہب میں بہت کم نظر آتے ہیں۔

37: لوگوں کو خوش کرنا

امام رضا(ع):... واحرِصُوا علی قَضاءِ حوائِج المؤمنینَ، و ادخالِ السُّرورِ عَلیهم، و دَفع المَکرُوهِ عنهم، فانّه لیس شَیءُ من الاعمالِ عنداللهّ - عزّوجلّ - بَعدَ الفَرائضِ اَفضَلَ من ادخالِ السُّرور علی المومنِ.[1]
مومنین کی حاجات کو پورا کرنے،انہیں خوش کرنے اور ان کی مشکلات کو دور کرنے میں حریص (اور لالچی) بنو کیونکہ واجبات کو ادا کرنے کے بعد خداوند متعال کے نزدیک سب سے افضل کام دوسروں کو خوش کرنا ہے۔

معاشرے میں خوشیوں کو رواج دینااور لوگوں کو خوش کرنا ایک اسلامی اور انسانی کام ہے اور اسے بلند ترین اخلاق شمار کیا گیا ہے نچلی سطح پر لوگوں کو مختلف چیزوں اور لطیفوں سے خوش کیا جاتا ہے لیکن اصلی خوشی لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی مشکلات کو دور کرنے سے حاصل ہوتی ہے آج جو انسان اپنی ضروریات اور مشکلات

[1] ۔بحارالانوار 347/78.

میں گھرا ہوا ہے، لطیفے اور میٹھی باتوں سے ممکن ہے تھوڑی دیر کے لیے ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جائے لیکن (یہ مسکراہٹ) غربت، بیماری اور بنیادی ضروریات سے محرومی کا علاج نہیں بن سکتی مگر یہ کہ ان کی مشکلات کو دور کیا جائے (تب حقیقی خوشی انہیں ملے گی)اسی وجہ سے امام رضاؑ لوگوں کو خوش کرنے کی جب بات کرتے ہیں تو آغاز اس بات سے کرتے ہیں لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرو پھر ان کو خوش کرنے کی بات کرتے ہیں یعنی کہ ان کی ضروریات کو پورا کرکے انہیں خوش کرو اور آرام و آسائش کا تحفہ دو۔

امامؑ لفظ«واحرصُوا...» کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ حرص اور لالچ تمام جگہوں پر قابل مذمت ہے لیکن لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں یہ (حرص) نہ صرف قابل مذمت نہیں ہے بلکہ ایک انسانی اور اسلامی اخلاق شمار ہوتا ہے امام علیؑ نے فرمایا: الاسرافُ مَذمومُ فی کلِّ شیءٍ الاّ فی اَفعالِ البِرِّ.[1]

اسراف (حد سے زیادہ بڑھ جانا) ہر چیز میں مذموم ہے لیکن نیک کاموں میں (مذموم) نہیں۔

---

[1] - مستدرک الوسائل 271/15.

38: وعدہ کو پورا کرنا

امام رضاؑ اپنے آباء اجداد کے ذریعے امام علیؑ سے نقل فرماتے ہیں : سَمِعتُ رسولَ اللّٰہ(ص) یقول: عِدَۃُ المؤمِنِ نَذرُ لاکفّارۃَ لہ.[1]

وعدہ مومن کی ایسی نذر ہے کہ (اس کو توڑنے کی صورت میں) اس کا کوئی کفارہ نہیں

وعدوں کو پورا کرنا اور اپنے معاہدوں کی پاسداری ایک اجتماعی اور معاشرتی موضوع ہے جس سے معاشرے کی ترقی اور اجتماعی تعلقات وابستہ ہیں دین اسلام میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے حتی کہ اسلامی تعلیمات میں آیا ہے کہ جب چھوٹے بچوں سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو اور ان کی روح میں وعدہ خلافی کا بیج کاشت مت کرو۔

امام رضا(ع) :انّا اَھلُ بیتٍ نری ما وعَدنا علَینا دَیناً کما صَنَع رسولُ اللّٰہ(ص).[2]

امامؑ نے فرمایا : ہم (اہل بیتؑ) وہ ہیں جو وعدہ کو قرض سمجھتے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ بھی ایسے ہی کرتے تھے (یعنی وعدہ کو قرض سمجھتے تھے)۔

---

[1] ۔بحار الانوار 96/75.

[2] ۔ہمان 97/75.

یہ وعدہ نبھانے کی وہ بلند حد ہے کہ انسان اس کو قرض سمجھے اور اس کو ادا کرنا اپنا فرض خیال کرے۔

39: والدین

امام رضا(ع): حَرَّمَ اللّٰه عقوقَ الوالدَينِ لِما فيه من الخُروج من التوفيقِ لِطاعَةِاللّٰه - عزوجلّ -... و تركِ التَّربيةِ بِعلّةِ تركِ الولدِ بِرَّهما.[1]

خداوند متعال نے والدین کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس سے انسان اللہ کی اطاعت سے محروم ہو جاتا ہے ۔۔۔اور والدین کی طرف سے اپنی اولاد کی تربیت بھی ترک نہیں ہونی چاہیے کیونکہ (تربیت نہ ہونے کی وجہ سے) وہ اپنے والدین سے نیکی کرنا ترک کر دیتے ہیں۔

اس فرمان میں والدین کو تکلیف اور اذیت دینے کے دو نقصانات کو بیان کیا گیا ہے پہلا یہ کہ خداوند متعال کی نافرمانی کا سبب بنتا ہے اور دوسرا یہ کہ والدین کی اولاد سے محبت میں کمی آ جاتی ہے اور یہی سبب بنتا ہے کہ وہ اولاد کو عاق کر دیں اور ان کی تربیت کی طرف توجہ نہ دیں۔

[1] ۔بحارالانوار 74/74.

امام رضاؑ نے فرمایا: بِرُّالوالدینِ واجبُ و ان کانا مُشرکینِ، ولا طاعةَ لَهما فی مَعصیهِاللّٰہ - عزّوجلّ.[1]

ماں باپ سے نیکی کرنا واجب ہے اگرچہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اور صرف خدا کی نافرمانی میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

یہ فرمان والدین کے احترام کی بلند ترین حد کو بیان کررہا ہے کیونکہ اس میں ان کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے اور ان کا شرک بھی ان سے نیکی کرنے سے نہیں روک سکتا۔

معمر بن خلاد کہتا ہے کہ امام رضاؑ سے پوچھا: اَدعوالوالدیَّ اذا کانا لا یَعرفانِ الحقَّ؟ قال: اُدعُ لهما و تَصدَّق عنهما، و ان کاناحَیّینِ لا یَعرفانِ الحقَّ، فَدارهما. فانّ رسول اللّٰہ(ص) قال: انّ اللّٰہ بَعَثَنی بالرَّحمةِ لا بالعُقوقِ.[2]
کیا میں اپنے والدین کے لیے دعا کروں جب کہ وہ حق کو نہیں پہنچاتے ؟امامؑ نے فرمایا: ان کے لیے دعا کرو اور ان کے لیے صدقہ دو اور اگر زندہ ہوں اور حق کو نہ پہچانتے ہوں تو بھی ان سے اچھا سلوک کرو کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: خداوند متعال نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے نہ کہ تکلیف دینے کے لیے۔

---

[1] - عیون اخبار الرضاع 124/2.

[2] - وافی 498/5.

اسلامی تعلیمات میں افضل ترین کام خداوند متعال کی راہ میں جہاد کرنا ہے لیکن اس کے باوجود ماں سے ایک گھنٹہ محبت اور انس سے پیش آنا اور اس کی خدمت میں رہنا ایک سال جہاد کرنے سے افضل شمار کیا گیا ہے جو جہاد پیغمبر کے ساتھ مل کر کیا ہو۔

ایک شخص پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں ایک طاقتور اور بہادر جوان ہوں اور جہاد کو پسند کرتا ہوں لیکن میری ماں جہاد کو ناپسند کرتی ہے تو پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: لوٹ جاؤ اور اپنی ماں کے پاس رہو اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تمہارا ماں کے پاس ایک رات رہنا خدا کی راہ میں پورا سال جہاد کرنے سے بہتر ہے۔[1]

40: میانہ روی

امام رضا(ع): انّ الجَسَدَ بمَنزلةِ الارضِ الطيّبةِ مَتى تُعُوهِدَت بالعمارَةِ والسَّقى، من حيثُ لا يَزدادُ فى الماءِ فَتَغرقَ، و لا يُنقَص منه فتَعطَشَ، دامت عمارتُها، و كَثُر رَيعُها، و زَكى زَرعُها، و ان تُغُوفِلَ عنها فَسَدت، و لم يَنبُت فيهاالعُشبُ. فالجَسَدُ بهذِه المنزلَةِ.[2]

---

[1] :کافی 163/2.

[2] -بحار الانوار 310/62.

(انسان) کا بدن زرخیز زمین کی مانند ہے جس (زمین) کو جب آباد کیا جائے اور اس کو پانی دیا جائے اس طرح (پانی دیا جائے) کہ پانی میں ڈوب نہ جائے اور پانی دینے کے بعد تھوڑی پیاسی رہ جائے (اگر ایسا ہو تو) ہمیشہ آباد رہے گی اور اس کا فصل زیادہ ہوگا اور زراعت اچھی ہوگی اور اگر اس کی حفاظت میں کوتاہی کی گئ تو تباہ ہو جائے گی اور اس میں ہریالی نہیں اگے گی پس انسان کا بدن بھی ایسے ہی ہے۔

میانہ روی تمام جگہوں پر خصوصا انسان کی زندگی میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے جس کی رعایت کرنے سے زندگی کے مختلف حصوں میں توازن پیدا ہوتا ہے اخلاقی اور روحانی کاموں میں میانہ روی اخلاق اور معنویت کے کمال کا موجب بنتی ہے یعنی انسان اپنے تمام حالات اور اخلاق میں افراط اور تفریط سے پرہیز کرتا ہے تو اخلاق کے اعلیٰ درجے کو حاصل کرلیتا ہے دوستی اور دشمنی میں ، غم اور خوشی میں ، خاموش رہنے اور بولنے میں ۔۔(یعنی سب جگہوں میں) میانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے وہ حد سے زیادہ محبت کرنے سے پرہیز کرتا ہے اور حد سے زیادہ دشمنی سے بھی، وہ نہ ہمیشہ غم سے نڈھال رہتا ہے اور نہ ہمیشہ خوش و خرم اور دوسروں کی مشکلات سے بے خبر رہتا ہے بلکہ دوسروں کے غم میں شریک اور غمگین ہوتا ہے اور جب خوشی ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ایسے شخص کی روح بھی سالم ہے اور اخلاق بھی اور اپنے اندر خصوصیات میں توازن پیدا کرنے اور نارمل زندگی گزارنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور ان تمام اخلاقی اور نفسانی کمزوریوں سے نجات حاصل کر لی ہے جو افراط و

تفریط کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اسی طرح زندگی کے دوسرے حصوں میں بھی میانہ روی اور اعتدال ہونا چاہیے جیسے کام کاج اور بیکاری، غربت اور امیری، بھوک اور پیٹ بھرنے میں، کام کاج اور محنت کرنے میں وغیرہ جو انسانی زندگی کے دوام کا سبب ہیں سب میں اعتدال اور میانہ روی ہونی چاہیے نہ اتنا بیکار بیٹھے کہ افسردہ اور نفسیاتی بیماری کا شکار ہو جائے اور نہ مال کمانے میں اتنا مشغول ہو جائے کہ حلال و حرام کا پتہ ہی نہ چلے اور اپنے اور دوسروں کے حق میں فرق ہی نہ کر سکے نہ دولت کے انبار لگائے اور نہ ایک درویش کی طرح زندگی گزارنے لگے جو زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوتا ہے یہ دونوں قسم کے طریقہ کار جو اعتدال اور میانہ روی کی ضد ہیں ان کو چھوڑ دے اور تمام کاموں میں میانہ روی کو اپنائے۔

امام علیؑ نے فرمایا: ...والرابع: العَدلُ و قِوامُه فی اعتدالِ قُوَی النَّفسِ...[1]

۔۔۔چوتھی عدل ہے اور اس کا ستون چار نفسانی قوتوں کا اعتدال ہے۔

عبادت میں بھی جو انسان کا افضل ترین کام ہے اس میں بھی میانہ روی ہونی چاہیے امام رضاؑ کا فرمان ایک کلی قانون کو بیان کر رہا ہے جو انسان کی تمام زندگی میں جاری کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ۔بحارالانوار 81/78.

41: عدالت اور جج

امام رضا(ع): اعلم اَنّه یَجبُ علیك اَن تساوی بین الخصمینِ حتّی النّظَر الیهما، حتّی لا یکونَ نَظَرُك الی اَحدِهما اکثَرَ من نَظَرِكَ الی الثانی.[1]

جان لو کہ تجھ پر واجب ہے ملزم اور مدعی کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرو یہاں تک کہ ان کو دیکھنے میں بھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک کی طرف زیادہ دیکھو۔

عدالتوں میں فیصلہ کرنا،اسلام کے بہت قیمتی اور اہم قوانین اور تعلیمات میں سے ہے اور اسلامی عدالتوں میں ایسی خصوصیات ہیں جنہیں دنیا کی دوسری عدالتوں میں بہت کم دیکھا گیا ہے نہج البلاغہ میں سب سے زیادہ تاکید عدالتی فیصلوں کے بارے میں کی گئ ہے امام علیؑ حلوان فوج کے سپہ سالار اسود بن قطبہ کو خط لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں : اگر حکمران مختلف خواہشات رکھتا ہو تو یہی چیز اس کو عدل وانصاف کو اجرا کرنے سے روک دیتی ہے پس لوگ اپنی تنخواہ لیتے وقت تیری نگاہ میں سب برابر ہونے چاہییں اور ان کے کام کے مطابق ان کا حق ادا کرو کیونکہ ظلم و ستم عدالت کی جگہ کو پر نہیں کر سکتا۔[2]

---

[1] ۔مستدرک الوسائل 350/17.

[2] : نہج البلاغہ/1043.

(نہج البلاغہ میں موجود) مالک اشتر کو لکھے گئے خط میں بھی کہ جس میں حکومت کے بہترین قوانین اور انسانی حقوق کی رعایت کو بہت اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے اس خط کے بعض حصہ کو جج صاحبان سے مختص اور ان کی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی عدالت کے جج کو کیسا ہونا چاہیے آپ اپنے جانثار ساتھی مالک اشتر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے نیک اور سب سے اچھے لوگوں کو جج بنانا۔

اسی وجہ سے فیصلہ کرنا انبیاء کے کاموں میں سے شمار ہوتا ہے کیونکہ ہر کوئی اس اہم کام کو انجام دینے کی صلاحیت اور طاقت نہیں رکھتا کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے اپنے رشتہ دار ایک اجنبی شخص کے ساتھ عدالت میں آئیں (اور حق اجنبی شخص کے ساتھ ہو) اور جج تمام رشتہ داری اور برادری کے تعلقات کی پرواہ کیے بغیر اجنبی کے حق میں فیصلہ دے دے اور اگر اس نے ایسا کیا تو یقیناً ایک اسلامی کام کیا ہے۔

42: گھر والوں سے مہربانی

امام رضاؑ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اَحسنُ النّاس ایماناً اَحسَنُهم خُلُقاً و الطَفُهم باَهلِه، و اَنا اَلطَفُکم باَهلی.[1]

[1] ۔ عیون اخبار الرضاؑ 38/2.

ایمان کے لحاظ سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ خوش اخلاق اور مہربان ہو اور میں تم میں سے سب سے زیادہ اپنے گھر والوں پر مہربان ہوں۔

قرآن کریم میں 30 سے زیادہ مرتبہ لفظ "معروف" استعمال ہوا ہےاور تقریبا 15 مرتبہ صرف یہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ گھر والوں سے کیسا سلوک کرنا ہے؟ یہ لفظ "معروف" امام رضاؑ کے فرامین میں بہت زیادہ مرتبہ آیا ہے اور فروع دین میں سے "امر بالمعروف" اسی لفظ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جس کا معنی بہت عام اور وسیع ہے جو قانون مندی اور عدالت پسندی کو بھی شامل ہے اور انسانی اور اخلاقی کاموں کو بھی یعنی انسان کا عمل حق اور عدل جو انسانی کمال شمار ہوتے ہیں ان سے بھی بالاتر ہونا چاہیے۔۔[1]

"معروف ایک وسیع نام ہے اور ہر اس کام پر صادق آتا ہے جو خدا کی اطاعت یا اس کے قرب اور لوگوں سے نیکی کا سبب بنے اور ہر اس کام کو معروف کہا جائے گا جو عقل اور شریعت کے نزدیک صحیح ہو."[2]

امام صادقؑ نے فرمایا: ... و مَن حَسُن بِرُّہ باَھلہ زادَاللّٰہ فی عمرِہ.[1]

---

[1] : دفاع از حقوق زن/64.

[2] : مجمع البحرین 159/3 و 25.

جو شخص اپنے گھر والوں سے مہربانی سے پیش آئے خداوند متعال اس کی عمر میں اضافہ کر دیتا ہے۔

اسلام میں عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے پر کچھ حقوق رکھتے ہیں اگرچہ مرد کو چاہیے کہ عورت کے حقوق کا زیادہ خیال رکھے اور اس کے آرام وآسائش کا سامان فراہم کرے لیکن عورت کا بھی فرض بنتا ہے کہ مرد کی خدمت کرے اور زندگی کی مشکلات اور مسائل میں اس کی حیثیت اور طاقت کو مد نظر رکھے اور ایسی چیزوں کی فرمائش نہ کرے جن کو پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہو شوہر کی صحیح خدمت اور اس سے اچھے برتاؤ کی اتنی اہمیت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے اللہ کی راہ میں جہاد سے تعبیر کیا ہے فرمایا: جهادُ المَرأةِ حُسنُ التبعُّلِ.[2] عورت کا جہاد اپنے شوہر کی خدمت کرنا ہے۔

اس بنا پر تمام حقوق عورتوں سے مختص کرنا[3] اور اس مشکل زندگی میں مردوں کی محنت اور کام کو بالکل نظرانداز کرنا اسلامی طریقہ کار نہیں ہے جس کا نتیجہ زیادہ طلاق اور گھریلو ناچاقیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے جیسا کہ آج کے دور میں ہم دیکھ رہے ہیں

---

[1] - بحار الانوار 225/103.

[2] - ہمان 107/18.

[3] : جیسا کہ جمہوری اسلامی ایران میں ہے

حتی کہ قانون نافذ کرنے والے بھی اس رسم کی پیروی کرتے نظرآتے ہیں معاشرے کے حکمرانوں کو ایسا کام ہی نہیں کرنا چاہیے جو خطرناک رد عمل رکھتا ہو ایک زمانے میں عورت پر ظلم ہوتا تھا (لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے) کہ ایسے قوانین بنا ڈالیں جس کے ذریعے مردوں پر ظلم شروع ہو جائے اور بعض غیر دیندار اور ہوس پرست عورتوں کو گستاخ بنادے اور ہر روز عدالت ایسی عورتوں سے بھری ہو جن میں در گزر اور صلح صفائی نام کی کوئی چیز نہ پائی جاتی ہو اور وہ طلاق پر اصرار کرتی نظرآئیں۔[1]

43: بیٹیوں سے زیادہ محبت

امام رضاؑ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: انَّ اللّٰہ - تبارك و تعالى – على الاناثِ اَرَقُّ منه على الذكور و ما من رجُلٍ يُدخِل فَرحَةً على امرأةٍ بَينه و بَينها حُرمَةُ الاّ فَرَّحهُ الله يومَ القيامةِ.[2]

خداوند متعال مردوں کی نسبت عورتوں پر زیادہ مہربان ہے اور جو بھی اپنی ایک رشتہ دار خاتون کو خوش کرے خداوند متعال قیامت کے دن اس کو خوش کرے گا۔

[1] : مولف محمد حکیمی: میں نے خود عورتوں کے حقوق کے دفاع کے لیے باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے لیکن ہوا و ہوس کی شکار اور گھر کو جہنم بنانے والی عورتوں کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔

[2] -وسائل الشیعہ، 367/21.

اسلامی تعلیمات میں بیٹیوں سے محبت پر زیادہ تاکید کی گئی ہے اس لیے دیکھتے ہیں کہ اگرچہ مساوات ایک ایسا اسلامی حکم ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں اور تمام لوگوں کے ساتھ تعلقات میں اس کا خیال رکھا جائے لیکن بیٹیوں سے متعلق اس کی رعایت لازم نہیں ہے بلکہ بیٹی اور بیٹے کے درمیان فرق کرنا بہتر ہے شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ بیٹی اور عورت میں جذبات اور نرم دلی زیادہ پائی جاتی ہے پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: مَن دَخَل السُّوقَ فاشترى تُحفةً فَحَملَها الى عيالِه... و ليَبدَأ بالاناثِ...[1]

جو کوئی بازار جائے اور تحفہ (یا کوئی چیز) خریدے اور گھر لے آئے تو تقسیم کرتے وقت پہلے بیٹی سے شروع کرے۔

اسی وجہ سے دیکھتے ہیں کہ وسائل الشیعہ میں جب اس بارے میں احادیث اور روایات کو اکٹھا کیا گیا تو اس کا عنوان یہ رکھا: کہ (بیٹوں کی نسبت) بیٹیوں سے زیادہ مہربانی اور نرم دلی سے پیش آنا مستحب ہے۔[2] اور یہ صرف عورت کا امتیاز ہے کہ مساوات کا قانون جس کا تمام جگہوں پر خیال رکھنا ضروری ہے صرف اس کے لیے نہیں ہے۔

44: انتخاب میں آزادی

[1] ۔وسائل الشیعہ، 514/21.

[2] : دفاع از حقوق زن، 121، چاپ پنجم، دفتر نشر فرہنگ اسلامی.

امام رضاؑ اپنے آباءِ اجداد کے ذریعے امام علیؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انّ المسلمینَ قالوا لِرسولِ اللّٰہ(ص): لو اکرَھتَ یا رسولَاللّٰہ مَن قدرتَ علیه من الناسِ علی الاسلامِ لکَثُر عَددُنا، و قَوینا علی عَدُوّنا.

فقال رسولُاللّٰہ(ص): ما کنتُ لالقَی اللّٰہ - عزّوجلّ - ببدعَةٍ لم یُحدِث الیَّ فیها شیئاً، و ما اَنا من المُتکَلّفین. فانزَلَ اللّٰہ - تعالی - علیه: یا محمد! (ولو شاءَ رَبُّك لت منَ مَن فی الارضِ کلُّهم جمیعاً) علی سبیلِ الالجاءِ و الاضطرارِ فی الدنیا کما یُومنونَ عندالمعاینةِ و رؤیةِ البأس فی الاخرةِ، ولو فَعلتُ ذلك بهم لم یَستَحِقُوا مِنّی ثواباً ولا مَدحاً، لکنّی اُریدُ منهم اَن یُومِنوا مُختارینَ غیرَ مُضطَرّینَ، لِیَستَحقُّوا منّی الزُّلفی والکَرامةَ و دوامَ الخُلودِ فی جَنّهِالخُلدِ (افأنتَ تُکرهُ الناسَ حتّی یکونُوا مؤمنینَ)...[1]

مسلمانوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے عرض کی :اے رسول خدا! جولوگ آپ کے ماتحت ہیں اگر ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں تو ہماری تعداد بڑھ سکتی ہے اور دشمن کے سامنے طاقتور بن سکتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو بدعت ہو اور اس کے بارے میں خداوند متعال کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا ہو میں نے خدا کے حضور جانا ہے اور میں زبردستی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں

[1] - عیون اخبار الرضاؑ 135/1.

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد ﷺ (اگر خدا چاہتا تو روی زمین کے تمام لوگوں کو دین کا پیروکار بنا دیتا) مجبور اور زبردستی کرکے جیسا کہ (مرنے کے بعد) جب حقیقت سامنے آئے گی اور قدرت حق کا دیدار ہوگا تو آخرت پر ایمان لے آئیں گے اگر میں لوگوں سے زبردستی سے پیش آتا نہ ثواب کے حق دار ہوتے نہ تعریف کے لائق میں چاہتا ہوں کہ آزادی اور اختیار سے دین کو قبول کریں اور مجبور نہ ہوں تاکہ میرے نزدیک اور میری تعریف کے قابل بن سکیں (کیا تم چاہتے ہو کہ لوگوں کو مجبور کروں تاکہ تمہارے دین کو قبول کرلیں؟)۔

امام رضاؑ سے منقول اس حدیث سے انسانوں کے حقوق کی صحیح اور قانونی جانبداری واضح اور روشن ہے جس کے ذریعے انسان کی اہمیت، اس کی آزادی کا احترام اور راستے کو انتخاب کرنے میں اس کی فکری آزادی کو واضح کیا گیا ہے اس آزادی کو سلب کرنا اور فکری زبردستی ،زیادہ تر شخصیت پر منفی اثرات کا سبب بنتی ہے اگر آدمی عقیدہ اور فکر میں مجبور ہو جائے اور آزادانہ طور پر فکر نہ کرسکے اور ایک عقیدہ نہ رکھ سکے تو زندگی کے میدان میں آزادانہ طور پر عمل نہیں کرسکتا اور اپنے منتخب راستے پر نہیں چل سکے گا عقیدے اور فکر کو جبری طور پر قبول کروانے کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ بات صحیح عقیدے کا سبب بھی نہیں بنے گی اسی طرح زبردستی ٹھونسے گئے عقاید سے انسان ہمشیہ چھٹکارے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

دینی عقاید کے انسان پر ہمیشہ بنیادی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انسان کو اپنے عقاید کے مطابق عمل کرنے کا انگیزہ پیدا کرتے ہیں جیسا کہ طول تاریخ میں دین پر سچا عقیدہ رکھنے والوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں اس بنا پر انسان کے لیے ضروری ہے کہ خود اپنے راستے اور عقیدے کا انتخاب کرے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور یہی ایسا راستہ ہے کہ جو انسان کو اجر و ثواب کا مستحق بنا سکتا ہے یا اس کے عذاب کا سبب بن سکتا ہے اور معاشرے میں یا وہ (اپنے عقیدہ پر عمل کرنے کی صورت میں) تعریف کے لائق سمجھا جائے گا یا (اپنے عقیدہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے)اس کی مذمت کی جائے گی یہی (آزادی سے عقیدہ کا انتخاب کرنا)ایک اسلامی اور انبیاء کا طریقہ کار ہے اسی وجہ سے دیکھتے ہیں کہ قرآن نے کئی بار اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور ایسی چیزوں کو بیان کیا ہے جو عقیدے میں لوگوں کی آزادی اور ان کے اختیار پر بہترین دلیل ہیں جیسے انبیاء کا لوگوں کو عقاید کی دعوت دینا، عقلی اور منطقی دلائل سے اسے ثابت کرنا، کائنات میں غور و فکر کی دعوت دینا اور تمام عقاید اور ادیان کی جانچ پڑتال کرکے صحیح راستے کو انتخاب کرنے کا کہنا اور صاحبان عقل ان لوگوں کو کہنا جو تمام باتیں سننے کے بعد بہترین اور اچھی باتوں کو انتخاب کرتے ہیں وغیرہ (ایسی باتیں ہیں جو کسی قسم کی زبردستی پر دلالت نہیں کرتی بلکہ آزادی کی نشاندہی کرتی ہیں)اور یہ سب باتیں صرف یہ بتانا چاہتی ہیں کہ انسان اپنی فکر اور عقیدے اور اپنے راستے کو منتخب کرنے میں مکمل آزادی رکھتا ہے۔

45: غور و فکر کرنا

امام رضا(ع): لَیسَ العِبادةُ كَثرةَ الصّیامِ والصّلاةِ، وانّما العبادَةُ كَثرةُ التَّفكُّرِ فی اَمر اللّه.[1]

امامؑ فرماتے ہیں: عبادت زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے کا نام نہیں ہے بلکہ خداوند متعال کے کاموں (اور اس کائنات اور انسان میں چھپے اسرار) کے بارے میں غور و فکر کرنے کا نام عبادت ہے۔

امام رضاؑ کے مکتب میں جو عبادت معرفت اور غور و فکر کے ساتھ ہو تو اس کی اہمیت ہے یعنی انسان غور و فکر اور باطنی توجہ کے ساتھ خدا کی عبادت کرے تاکہ عبادت کی روح کے نزدیک ہو سکے۔" غور و فکر کی اہمیت کو سمجھنے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کے لیے جو تاکید اسلام نے کی ہے اس کی دوسرے ادیان، اجتماعی نظاموں اور تعلیم و تربیت کے لیے پیش کیے گئے پروگراموں میں اس کی مثال نہیں ملتی اسلام میں ایک گھنٹے کا غور فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر جانا گیا ہے: (فکرةُ ساعةٍ خیرُ من عبادةٍ سَنَةٍ)،[2] اور غور و فکر کرنے کو دل کی زندگی کا نام دیا گیا ہے: (التَّفكُّرُ حیاةُ قَلبِ البَصیر)[1]،".[2]

---

[1] ۔بحار الانوار 335/75؛ کافی 55/2.

[2] ۔بحار الانوار 326، سخن پیامبر اکرم ص.

امام رضاؑ کا فرمان ہے : التَّفكُّرُ مِرآتُك تُريكَ سَيّئاتِك و حَسناتِك.[3]
غوروفکر کرنا تیرا آئینہ ہے کہ جو تیری اچھائیوں اور برائیوں کو تجھے دکھاتا ہے۔

انسان اپنے اندر کی دنیا کے بارے میں غوروفکر کرے تو اپنی روح کی توانائیوں اور خوبیوں سے واقف ہو جائے گا اور اسی طرح اپنے نقائص اور کمزوریوں کو بھی جان لے گا تاکہ ان کی اصلاح کر سکے پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یا اَباذَرٍّ! رَکعتانِ مُقتَصِدَتانِ فی [الـ] تَفكُّرٍ، خیرُ مِن قِیامِ لَیلةٍو القَلبُ ساهٍ.[4]

اے ابوذر ! دو رکعت مختصر نماز جو توجہ اور غوروفکر سے پڑھی جائے وہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے جس میں دل غافل ہو (اور متوجہ نہ ہو)۔

---

[1] -کافی 28/1، سخن امام علی ع.

[2] -الحیاۃ 346/1.

[3] -بحارالانوار 325/71.

[4] -ثواب الاعمال/68؛ الحیاۃ 89/1.

"دین اسلام ۔۔۔نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ اپنی سوچ اور توجہ کے ساتھ اصول دین کو قبول کریں (کیونکہ) اسلام نے اصول دین میں تقلید کو جائز قرار نہیں دیا..."[1]

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: یا علیٌّ! اذا تقَرَّبَ العِبادُ الی خالِقِهم بالبِرِّ، فَتَقَرَّبْ الیه بالعقلِ تَسبِقْهم.[2]

اے علی! جب بھی لوگوں کو دیکھو کہ نیک کاموں کے ذریعے خدا کا قرب تلاش کر رہے ہیں تو تم عقل کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرنا تاکہ ان سے سبقت لے جاؤ۔

اس حدیث میں عقل انسان کو ایسا بلند مقام و مرتبہ دیا ہے کہ جس کی دوسرے ادیان اور مذاہب میں مثال نہیں ملتی علامہ محمد تقی جعفری اس حدیث کو ابن سینا سے نقل کرتے تھے۔

46: ساری زندگی علم حاصل کرنا

امام رضا(ع):... ولا یَمَلُّ مِن طلبِ العلمِ طولَ دَهرِه.[3]

---

[1] :الحیاۃ359/1.

[2] ۔مشکاۃالانوار/251.

[3] ۔تحف العقول/330.

امام رضاؑ نے فرمایا: (انسان کی عقل کامل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں دس صفتیں نہ پائی جائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ) ۔۔۔اور وہ ساری زندگی علم حاصل کرتا رہتا ہے اور تھکتا نہیں۔

امام رضاؑ کی نگاہ میں معاشرہ معرفت اور علم سے مالامال ہونا چاہیے جس میں نادانی اور جہالت کی کوئی جگہ نہیں ایسے معاشرے میں انسان خدا اور کائنات کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں خصوصا دین کو سمجھنے کے لیے بہت گہرائی تک جاتے ہیں اور دینی مبانی کو معرفت کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں امام رضاؑ کے پیروکار بھی پڑھنے اور لکھنے کے لیے وقت اور زمانے کو مخصوص نہیں کرتے اور یہ نہیں کہتے کہ جوانی میں یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں تعلیم حاصل کرو جب جوانی چلے جائے تو پھر کتابوں اور لائبریریوں کو بھی چھوڑ دینا چاہیے ،ایسا نہیں ہے بلکہ وہ یقین رکھتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو کچھ ان کے امامؑ نے فرمایا ہے کہ ساری زندگی علم حاصل کرتے رہو اور کبھی بھی اس سے غافل نہ ہونا اور اپنی جہالت اور نادانی کو علم کے ذریعے ختم کرو۔

قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات میں معرفت اور علم کی طرف دعوت دی گئی ہے اور یہ تمام لوگوں پر فرض ہے ۔پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: طَلَبُ العلمِ فَريضةٌ على كلِّ مُسلمٍ و مُسلمةٍ.[1] علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔

---

[1] ۔بحار الانوار 177/1؛ الحیاۃ 70/1، ترجمہ فارسی.

معاشرے کے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک علماء اور دانشور دوسرا طالب علم اور اسٹوڈنٹس اور تیسرا نادان اور جاہل لوگوں کا گروہ جنہوں نے علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی علماء اور دانشوروں کے ساتھ ان کا رابطہ ہے نہ کتاب پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں اسلامی نکتہ نگاہ سے یہ تیسرا گروہ تباہی کے راستے پر چل پڑا ہے۔امام علیؑ فرماتے ہیں: آغدُ عالماً اَو مُتَعلِّماً، ولا تکُنِ الثالثَ فَتَعطَبَ.[1]

یا اھل علم اور عالم بننا یا طالب علم تیسری صورت اختیار نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

کیونکہ جو کام بھی کرنا ہو اس کو کرنے سے پہلے اس کی معرفت اور اس کا علم ضروری ہے جو کام بغیر معرفت اور جانچ پڑتال کے انجام پائے گا وہ کبھی نتیجہ نہیں دے گا امام صادقؑ نے فرمایا: العاملُ علی غَیر بَصیرةٍ کالسّائرِ علی غَیرِ طَریقٍ، فَلا تَزیدُه سُرعةُ السَّیرِ الاّ بُعداً.[2]

جو شخص بغیر معرفت اور بصیرت کے عمل کرے گا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو صحیح راستے پر نہیں چلا اسی وجہ سے جتنا جلدی چلے گا اتنا ہی اپنی منزل سے دور ہو گا۔

---

[1] ۔الحیاۃ71/1.

[2] ۔الحیاۃ99/1؛ تحف العقول/266.

47: انسان کی فضیلت اور برتری کا معیار

امام رضا(ع): قال رسولُ اللّٰہ(ص): مَن استَذَلَّ مؤمناً اَو حَقَّرَہ لِفَقرِہ، او قِلَّۃِ ذاتِ یَدِہ، شَہَرہ اللّٰہ یَومَ القیامۃِ، ثمّ یَفضَحُہ.[1]

امام رضاؑ رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے بھی ایک مومن کی توہین اور تذلیل کی یا اس کی غربت اور فقر کی وجہ سے اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا تو خداوند متعال قیامت کے دن سب کے سامنے اسے ذلیل اور رسوا کرے گا۔

امام رضاؑ کے مکتب میں اصل معیار اور میزان صرف انسان اور انسانیت ہے دولت، کرسی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی طاقت، رنگ، نسل، خاندان وغیرہ یہ چیزیں معیار نہیں ہیں اور انسان کے مقام کو بلند نہیں کر سکتیں اسی لیے ایک عام مزدور جو نچلی سطح کی زندگی گزار رہا ہے اس میں اور ایک اونچے طبقے کے آدمی میں کوئی فرق نہیں ہے چاہے وہ کارخانے کا مالک ہو یا جرنل یا حاکم یا دولت مند جو بھی ہو (امام کے نکتہ نظر سے)سب برابر ہیں بڑے بڑے محلوں میں رہنے والے اور جھونپڑیوں میں رہنے والوں میں اس حساب سے کوئی فرق نہیں ہے اسلام کی انسان کے بارے میں اس نکتہ نگاہ کی وجہ سے اسلام کا اقتصادیاتی نظام سرمایہ داری نظام سے بنیادی فرق رکھتا ہے "سرمایہ داری نظام اور معاشرے میں ایک انسان کی دوسرے انسان کے بارے میں نگاہ اس کی

---

[1] - عیون اخبار الرضاع 33/2.

انسانیت اور معنویت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک انسان دوسرے انسان کواس کے سرمائے اور منافع کی نگاہ سے دیکھتا اور پہچانتا ہے جس کی وجہ سے ایک انسان دوسرے کے سامنے ایک آلہ اور وسیلہ نظر آتا ہے (جس میں اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں اصل حیثیت اس کی دولت اور سرمائے کی ہے) یعنی انسان ایک شی میں تبدیل ہو جاتا ہےاور معاشرے میں اس کے اجتماعی تعلقات اس کی شخصیت کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور (ایسے معاشرے میں) لوگوں کے درمیان اخلاق اور معنویت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور یہ چیز برخلاف ہے اس نکتہ نظر اور معیار کے جو اسلام اور امام رضاؑ نے پیش کیا ہے اور امام رضاؑ کے فرمان میں انسان کو ایک مخلوق خدا کے طور پر پہچنوایا گیا ہے کہ جس کی برتری کا معیار اس کا اخلاق اور الٰہی روح ہے انسانوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور ان کا احترام خالق سے تعلق اور احترام کا آئینہ دار ہے "[1]

امام علیؑ نے فرمایا: مَن اَتی غَنیّاً فَتَواضَع لَه لغِناهُ، ذَهَبَ ثُلُثا دینِه.[2]

جو شخص کسی امیر کے سامنے اس کی دولت کی وجہ سے جھکے تو اس کا دو تہائی دین چلا جاتا ہے۔

[1] : معیارہای اقتصادی در تعالیم رضوی ع / 430و431.

[2] - نہج البلاغہ/1187، حکمت 228.

پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ ؑ کا عمل ایسا تھا اور وہ سب لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے وہ واقعہ جو پیغمبر کے مدینہ میں داخل ہوتے وقت پیش آیا وہ ایک واقعہ ہے ان ہزاروں واقعات میں سے جو پیغمبر ﷺ کی الہی اور انسانی سیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے کہ :

جب پیغمبر ﷺ مدینہ کے نزدیک پہونچے تو لوگوں نے پیغمبر ﷺ کی سواری کی مہار کو پکڑ لیا (اور ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس تشریف لائیے اور قیام کیجیئے) پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا : اے لوگو : اونٹنی کو چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے وہ جس کے دروازے کے سامنے بیٹھے گی وہیں پر میرا قیام ہوگا اونٹنی حضرت ایوب انصاری کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی اور اس وقت مدینہ میں حضرت ایوب انصاری سے غریب کوئی نہیں تھا اور لوگ اپنے گھر میں آنخضرت کے قیام کی دل میں حسرت لیے رہ گئے۔ [1]

48 : لوگوں سے محبت

امام رضا(ع): التَّودُّد الی الناسِ نِصفُ العَقلِ. [2]

امام فرماتے ہیں کہ : لوگوں سے محبت نصف عقل اور شعور ہے۔

---

[1] : بحار الانوار، جلد 19 صفحہ 121؛ الحیاۃ 2 صفحہ 85

[2] ۔ تحف العقول/330.

۱: عاقل انسان سمجھتا ہے کہ تمام انسان معاشرے کا حصہ ہیں جو ایک دوسرے کے امن ،سلامتی اور زندگی کا سبب ہیں اور ہر کوئی اپنی کاموں ، مہارت ، فن اور شغل کے ذریعے معاشرے کی بعض ضروریات کو پورا کر رہا ہے صبح اور شام ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے یہ ایسی بات کہ جسے عقل سمجھتی ہے اور عقل یہ بھی سمجھتی ہے کہ دوسروں کی محنت مزدوری اور کام کاج کی وجہ سے بنی چیزوں سے صرف دوستی، محبت ، مہربانی اور خوش اخلاقی کے ذریعے فائدہ اٹھا یا جاسکتا ہے نہ کہ دشمنی ،لڑائی جھگڑے اور بداخلاقی سے ،اسی وجہ سے سمجھدار اور عاقل انسان دوستی اور محبت کے ذریعے دوسروں کے کاموں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

۲: عقل کہتی ہے کہ تمام افراد محبت اور دوستی پر استوار اپنے اجتماعی تعلقات قائم کریں جن کا نتیجہ اور فائدہ خود ان کو پہنچے گا کیونکہ جس سے یہ دوستی اور محبت کرے گا تو وہ بھی محبت کرے گا اسی طرح تمام لوگ اس راستے پر چل پڑیں گے اور یہ ایک اجتماعی تحریک اور اخلاق کی صورت پیدا کرلے گی۔

۳: ایک عادت اور سرشت کو معاشرے میں رواج دینے کے لیے تعلیم اور ثقافت بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور معاشرے میں اچھے اخلاق کی تعلیم کا بہترین طریقہ اور ذریعہ خود انسان ہیں بزرگ ہستیوں کے اخلاق کے نمونے انسان کی تربیت اور ان کے اخلاق بنانے میں ایک مدرسے کا کام کرسکتے ہیں انسان اپنے عمل کے ذریعے دوسروں کو

اچھے کاموں اور نیک اخلاق کی تعلیم دے سکتا ہے بغیر اس کے وہ اس طرف متوجہ ہوں

۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں : كُونوا دُعاةَ الناسِ بِاَعمالِكُم، و لا تَكونُوا دُعاةً بِاَلسِنَتِكم.[1]

لوگوں کو اپنے اعمال کے ذریعے حق کی دعوت دو نہ اپنی زبانوں کے ذریعے۔

(کیونکہ) عمل کی زبان، بولنے کی زبان سے کہیں زیادہ سکھانے والی اور اثر کرنے والی ہے خصوصا نوجوانوں میں کیونکہ بہت ساری جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر نصیحت اور تبلیغ (خصوصا اگر موقع و محل کو دیکھے بغیر ہو تو) اثر نہیں کرتا لیکن اچھے لوگوں کا کردار اور عمل ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں : انّ الوعظَ الّذی لا یَمُجُّه سَمعُ، ولا یَعدِلُه نَفعُ، ما سَكَتَ عنه لِسانُ القَولِ و نَطَق به لِسانُ الفِعلِ... .[2]

وہ نصیحت جسے کان سنتے ہیں اور کوئی منافع اس کی برابری نہیں کرسکتا وہ یہ ہے کہ بولنے والی زبان خاموش رہے اور کردار کی زبان بولنے لگے۔

---

[1] ۔اصول کافی 78/2؛ الحیاۃ 522/1.

[2] ۔الحیاۃ 552/1.

۴: عقل خداوند متعال کی عظیم نعمت ہے کہ جو صرف نیکی کا حکم دیتی ہےاورانسان کی تمام برائیاں اور گناہ اس کی جہالت اور ہوا وہوس کی وجہ سے ہیں اس بنا پر ہر نیکی کا کام اور نیکی کی طرف رجحان کا سبب اس کی عقل ہے محبت اور پیار کی بنیاد عقل ہے جبکہ دشمنی، منافقت اور لڑائی جھگڑے شیطانی اور نفسانی اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ جہالت اور نادانی ہے خلقت کی بنیاد محبت اور پیار پر رکھی گئی ہے اورانبیاء کی تعلیمات میں اہم اور اصلی چیز معاشرے اور لوگوں میں محبت اور دوستی کو پھیلانا اور رواج دینا ہے بعض احادیث میں دین کو محبت سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے یہ روایت : «و هَلِ الدینُ الاّ الحبُّ... الدینُ هو الحبُّ والحبُّ هو الدین [1] کہ کیا دین محبت کے علاوہ کسی چیز کا نام ہے؟ (نہیں)---دین محبت ہے اور محبت دین ہے۔

لوگوں سے دوستی اور محبت کا تعلق ان کی تربیت اور ثقافت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان علمی اور اخلاقی ترقی کی منازل کو طے کرتا ہے کیونکہ دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت اور پیار کے ذریعے وہ دوسروں کے علم سے فائدہ حاصل کرتا ہے اسی بنا پر محبت کو عقل کی علامت کہا گیا ہے انسان کی عقل دوستانہ تعلقات میں نشو ونما پاتی ہے اسی سلسلے میں امام باقرؑ کا فرمان ہے کہ : مُلاقاة الاخوانِ . . .

---

[1] ۔بحار الانوار 238/69؛ سخن امام باقرع۔

تَـلقـيحُ الـعَقـلِ . . . [1] فرمایا: بھائیوں (اور دوستوں) سے ملاقات عقل کی نشو ونما کا سبب بنتی ہے۔

یہ جو کہتے ہیں :ممالک، قومیں اور تہذیب وتمدن ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے علم ،صنعت ، قوانین اور رسم ورواجوں سے فائدہ حاصل کر سکیں اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں اور یہ سب اس وقت ممکن ہے جب دوستانہ تعلقات ہوں نہ دشمنی یا جنگ وغیرہ۔

49: ماں کے حقوق کی برتری

امام رضا(ع): و اَعلَم اَنَّ حَقَّ الأمِّ الَزَمُ الحقُوقِ و اَوجَبُ، لانَّها حَمَلت
حَيثُ
لا يَحمِلُ اَحد احداً، و وَقَت بالسَّمِع و البَصرِ و جَميعِ الجَوارِحِ، مَسرورَةً
مُستبشِرةً بذلك، فَحَمَلَته بمافيه من المكروهِ الّذى لا يَصبر عليه اَحدُ، و رَضِيَت بِاَن تَجوعَ و يَشبَعَ، و تَظمَأ و يَروَى، و تَعرى و يَكتَسِى، و تُظلُّه و تَضحى، فَلَيَكُنِ الشُّكرُ لَها، و البِرُّ والرِّفقُ بها على قدرِ ذلك، و اِن كنتم لا تُطيقونَ بِاَدنى حَقِّها الاّ بِعَونِ اللّه.[2]

---

[1] -بحار الانوار 353/74.

[2] -مستدرک الوسائل 180/15.

جان لو کہ ماں کا حق زیادہ واجب اور ضروری ہے کیونکہ ماں حمل کی مشکلات کو برداشت کرتی ہے جو کوئی بھی برداشت نہیں کرسکتا اور اپنی آنکھ، کان اور تمام اعضا کے ساتھ بچے کا خیال رکھتی ہے اور بڑی خوشی اور مسرت سے اپنے بچے کے لیے ان تمام مشکلات کو برداشت کرتی ہے جن پر کوئی صبر نہیں کرسکتا ماں خوشی سے بھوکی رہتی ہے تاکہ اس کا بچہ بھوکا نہ رہے وہ پیاسی رہتی ہے تاکہ بچہ سیراب ہو اپنے کپڑوں سے زیادہ اس کے لباس کا خیال رکھتی ہے خود سخت دھوپ میں بیٹھتی ہے اور بچے کو سایہ فراہم کرتی ہے (اس بناپر) ماں سے نیکی، محبت اور نرمی سے پیش آؤ تاکہ اس کی زحمتوں اور قربانیوں کا ایک طرح سے شکریہ ادا کیا جاسکے۔ اگرچہ تم میں طاقت نہیں ہے کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے حق کو ادا کرسکو مگر یہ کہ خداوند متعال تمہاری مدد کرے۔

امام رضاؑ کے کلام میں لفظ " الَــزَمُ " اور " اوجَبُ" استعمال ہوا ہے جو ماں کے حقوق کی برتری کو بیان کررہا ہے پیغمبراکرم ﷺ اور دوسرے آئمہ سے جو احادیث نقل ہوئی ہیں ان میں بھی ماں کے حقوق کی برتری واضح اور روشن ہے نمونے کے لیے صرف ایک حدیث کو یہاں ذکر کرتے ہیں امام صادقؑ پیغمبراکرم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: جاءَ رجلُ الی النبیّ(ص)، فقال: یا رسول الله! مَن اَبَرُّ؟ قال: اُمَّك. قال: ثمَّ مَن؟ قال: اُمَّك. قال: ثمَّ مَن؟ قال: اُمَّكَ. قال: ثمَّ مَن؟ قال(ص): اَباك.[1]

---

[1] -کافی 159/2.

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس آیااور عرض کی : کس سے میں نیکی کروں ؟ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں سے ۔دوسری مرتبہ پوچھا : پھر کس سے نیکی کروں ؟فرمایا:اپنی ماں سے ۔ تیسری مرتبہ سوال کیا : پھر کس سے نیکی کروں ؟ فرمایا:اپنی ماں سے ۔پھر سوال کیا: پھر کس سے نیکی کروں ؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا:اپنے باپ سے۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں : "اسی حدیث سے دلیل لاکر بیان کیا گیاہے کہ 43 نیکیاں ماں کے لیے ہیں البتہ بعض علماء نے کہاہے کہ یہ حدیث صرف یہ بیان کررہی ہے کہ ماں سے زیادہ نیکی کی جائےاوراس کی وجہ واضح ہے کیونکہ ماں باپ کی نسبت زیادہ تکلیفیں اٹھاتی ہے اور سختیاں برداشت کرتی ہے سورہ لقمان کی آیات بھی اسی بات کو بیان کررہی ہیں۔ "[1]

50:روشن مستقبل پر نظر

امام رضا(ع): ما أحسنَ الصَبر وانتظارُ الفَرَج:[2]
امام رضاؑ نے فرمایا: کتنااچھاہے صبر کرنااور (کاموں میں) کشادگی کاانتظار کرنا

---

[1] : بحارالانوار 49/74.

[2] ۔فرازہایی از: سخنان امام رضاع، دفتر سوم/146.

انسانوں کی موجودہ زندگی ان کے مستقبل اور سرانجام کے ساتھ وابستہ ہے اس طرح کہ اگر ان کا مستقبل تاریک ہے تو ان کی موجودہ زندگی بے مقصد اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں اور اپنے مقصود تک پہنچنے کی علامات کو گم کر بیٹھتے ہیں (دراصل) انسان کی بدگمانی اور مایوسی کا سبب یہ نظریہ بنا ہے کہ مستقبل بھی انہیں لوگوں کے لیے روشن اور اچھا ہوگا جو مال وزر والے ہوں گے اور وہاں بھی انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی (واضح ہے کہ) جو انسان تمام تر سختیاں جھیلنے اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کے بعد ایسے زمانے میں داخل ہو کہ جہاں طاقتور اور مال و دولت والوں ہی کا راج ہو اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہ ہو تو کیسے وہ روشن اور تابناک مستقبل کے بارے میں سوچ سکتا ہے ؟اور یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ظلم و ستم ختم ہو جائے گا؟

اسی وجہ سے اس سے پہلے کہ ہم انسان کے تابناک اور روشن مستقبل کی بات کریں اور ایسے زمانے کی بات کریں جہاں انسانیت کا راج ہوگا اور انسانیت کی تمام تر خصوصیات وہاں پائی جائیں گی تو ضروری ہے کہ پہلے انسان اور احترام انسانیت کو اچھے اور واضح طریقے سے بیان کریں اور زندگی کا ایسا نقشہ پیش کیا جائے جس میں انسان اپنے کھوئے ہوئے احترام کو پاسکے جہاں انسانیت کے خلاف مقاصد کا حصول ممکن نہ ہو سکے اور انسان کے راستے میں موجود تمام تر رکاوٹوں اور پیچیدہ نیٹ ورکس کو ختم کیا جاسکے اور انسان اپنی زندگی میں حقیقی آزادی کو محسوس کرے اور غلامی کی تمام زنجیروں سے آزاد ہو سکے ۔

قرآن کی تعبیر کے مطابق «اصْر و أغلال[1] = تمام انسان سنگین وزن اور زنجیریں جن سے وہ قید تھے کھولی جائیں۔

طول تاریخ میں انسان کی اصل گمشدہ چیز اسی قسم کا زمانہ ہے (جہاں حقیقی آزادی ہو اور غلامی کی زنجیروں سے انسان آزاد ہو سکے) اور ایسا زمانہ ابھی تک نہیں آیا۔

انسان کی یہ دیرینہ خواہش منجی عالم بشریت حضرت مہدیؑ کے ذریعے عملی جامہ پہنے گی اور کیوں کہ تمام انبیاء جو انسانی حقوق اور کرامت کے لیے کوششیں کرتے آئے ہیں امامؑ ان کی اس آرزو کو حقیقت میں بدل دیں گے اور انسان کے راستے سے تمام تر رکاوٹوں کو ہٹا کر اسے ایک حقیقی زندگی دیں گے جس میں نہ طبقاتی نظام ہو گا اور نہ استثناء۔

امام رضاؑ کے مکتب میں مستقبل کی سوچ اور فکر ایک خاص مقام رکھتی ہے اور مستقبل کو ایک مثبت اور انسانی سوچ کے ذریعے دیکھا گیا ہے ایسا مستقبل جو عدل و انصاف سے سرشار ہو گا تمام انسان بے مثال امن اور آسائش میں رہیں گے اور تمام تر سختیاں ، مصیبتیں ، جہالت ، غربت ، ڈر اور خوف ، حقوق کا پائمال ہونا ، جنگیں اور لڑائیاں ختم

---

[1] ۔سورہ اعراف 7/آیہ 157.

ہو جائیں گی اورانسان کی یہی زندگی جنت بن جائے گی اور انسان بلاخوف و خطر خدا کی عبادت کریں گے اور زندگی انسان اور انسانیت سے تشکیل پائے گی۔

اسی لیےاس بارے میں امامؑ کی تعلیمات ابھی سے انسانی افکار میں ایک تابناک اور روشن مستقبل کی امید کا چراغ روشن کر رہیں اور اس فکر کے فروغ اور انتظار کے ذریعے دلوں کو روشن اور منور کر رہی ہیں اور ابھی سے لوگوں کو انتظار کے راستے پر چلا رہی ہیں تاکہ اس دور میں بھی کہ جب ہر طرف ظلم و ستم کا بول بالا ہو اس وقت بھی ایک روشن مستقبل کی امید سے مایوس نہ ہوں اور تمام مشکلات کے باوجود ثابت قدم رہیں اور اس ثابت قدمی اور مقاومت کے ذریعے انسانی اصولوں کی پاسداری کریں۔امام رضاؑ اس مصلح کل اور منجی عالم بشریت (حضرت مہدیؑ)کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

خدایا! ان کو بہترین آرزوؤں تک پہنچا دے کہ جس طرح انبیاء کو پہنچایا جو عدل وانصاف قائم کرنا چاہتے تھے۔خداوندا! ظلم و ستم کو ظلم کے ہاتھوں نیست و نابود فرما اور ان (امام مہدیؑ)کے ذریعے عدالت کو ظاہر فرمااور انہیں طولانی عمر عطا کرکے زمین کو زرخیز بنا۔۔۔اور شرق اور غرب کو ان کے اختیار میں عطا فرما تاکہ چھوٹے سے چھوٹا حق بھی لوگوں پر پوشیدہ نہ رہے اور ان کی عدالت کے سائے میں ظلم و ستم کے تاریک بادل چھٹ جائیں اور کفر اور بے دینی کے شعلے بجھ جائیں۔

THE GOLDEN PRINCIPLES OF LIFE

IN THE VIEW OF IMAM-E-RAZA(A.S)

TRANSLATED BY:

TASSAWER ABBAS KHAN